HEC کے معیار کے مطابق

ISSN:2518-9794

جلد:۴،شمارہ:۸ جولائی۔دسمبر۲۰۱۹ء

ششماہی علمی وتحقیقی مجلّہ

العرفان

فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ

منہاج یونیورسٹی، لاہور

ششماہی علمی و تحقیقی مجلّہ العرفان جولائی۔دسمبر ۲۰۱۹ء فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ منہاج یونیورسٹی، لاہور

ISSN:2518-9794

Vol:IV, Issue:8 July-December 2019

(Biannual Abstracted Research Journal)

AL-IRFAN

Faculty of Islamic Studies & Shariah
Minhaj University Lahore

www.mul.edu.pk/crd

(ششماہی علمی وتحقیقی مجلّہ)

العِرفان

جلد:۴، شمارہ:۸ جولائی۔دسمبر ۲۰۱۹ء

مجلسِ ادارت

سرپرست اعلیٰ	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	چیئرمین سپریم کونسل، منہاج القرآن انٹرنیشنل، لاہور
سرپرست	پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم غوری	وائس چانسلر، منہاج یونیورسٹی، لاہور
مدیر اعلیٰ	پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا	ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ، منہاج یونیورسٹی
مدیر	ڈاکٹر ممتاز الحسن	پرنسپل، کالج آف شریعہ اینڈ اسلامک سائنسز، لاہور
نائب مدیر	پروفیسر ڈاکٹر ثمر فاطمہ	پرنسپل منہاج کالج فار ویمن، منہاج یونیورسٹی، لاہور
معاون مدیر برائے اُردو	ڈاکٹر شبیر احمد جامی	چیئرمین شعبۂ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور
معاون مدیر برائے عربی	ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی	چیئرمین شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور

0321-4457966, 03344053291 E:mail:alirfan@mul.edu.pk

مجلسِ مشاورت (بین الاقوامی)

١. الأستاذ الدكتور محمد عبد الرحيم البيومى، عميد كلية أصول الدين، جامعة الأزهر، زقازيق، مصر
٢. الدكتور بان حميد الراوي، رئيس قسم علوم القرآن، كلية التربية للبنات، جامعة بغداد، عراق
٣. الدكتور غلام محمد قمر الأزهري، أمريكة
٤. پروفیسر ڈاکٹر شاہ کوثر مصطفی، یونیورسٹی آف ڈھاکہ، بنگلادیش
٥. پروفیسر ڈاکٹر درمش بلگر، استنبول یونیورسٹی، ترکی
٦. پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد سلیم، برطانیہ
٧. ڈاکٹر محمد رفیق حبیب، گلاسگو، برطانیہ
٨. ڈاکٹر حافظ منیر، برطانیہ
٩. ڈاکٹر محمد یعقوب بشوی، المصطفی انٹرنیشل یونیورسٹی، قم ایران

مجلسِ مشاورت (قومی)

١. پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، چیئرمین ہجویری چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
٢. پروفیسر ڈاکٹر نوراحمد شاہتاز، ڈائریکٹر، شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی یونیورسٹی، کراچی
٣. پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
٤. پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک، صدر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
٥. پروفیسر ڈاکٹر سلطان شاہ، ڈین علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور
٦. پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، شعبہ عربی واسلامک سٹڈیز، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
٧. پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد اللہ، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
٨. ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
٩. ڈاکٹر شمس الرحمٰن، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
١٠. ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، اسسٹنٹ ڈائریکٹر اقبال اکادمی، ایوان اقبال، لاہور
١١. ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ یونیوسٹی آف لاہور
١٢. ڈاکٹر عاطف اسلم راؤ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی

تعارف شرکاء

پی ایچ ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی،لاہور	نور زمان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی،منہاج یونیورسٹی،لاہور	ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد
پی ایچ ڈی اسکالر / لیکچرار منہاج یونیورسٹی،لاہور	محمد اظہر عباسی
پی ایچ ڈی اسکالر / لیکچرار منہاج یونیورسٹی،لاہور	منیر حسین
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور	نادیہ عالم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، گریژن یونیورسٹی، لاہور	ڈاکٹر علی اکبر الازہری
پی ایچ ڈی اسکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد	غلام رسول زاہد
چیئرمین شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد	پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور	ابو الحسن احمد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور	ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی
ریسرچ سکالر شعبہ علوم اسلامیہ ، بلوچستان یونیورسٹی ،کوئٹہ	شبیر احمد عثمانی
پروفیسر شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی ، کوئٹہ	پرفیسر ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج فاضل پور، ضلع راجن پور	محمد حفیظ الرحمٰن
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ فکرِ اسلامی، تاریخ وثقافت، کلیۂ عربی و علومِ اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد	ڈاکٹر حافظ محمد سجاد
پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور	محمد اقبال
ایم۔فل۔منہاج یونیورسٹی، لاہور	محمد اَنوار الحسنین
الأستاذ بقسم العلوم الإسلامية بجامعة لاهور، لاهور، باكستان	الدكتور محمد نواز (الحسني)
رئيس القسم العربي بجامعة منهاج، لاهور، باكستان	الدكتور ممتاز اَحمد السديدي
Assistant Professor, Government Degree college, Oghi, Mansehra. Pakistan	Dr. Malik Junaid Ahmad
Assistant Professor, Govt. Degree College, Oghi, Mansehra, Pakistan	Dr. Muhammad Ismail Khan

فہرست مقالہ جات

عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ نمبر
اداریہ	مدیر اعلی	
تربیت کے نبوی مناہج و اسالیب اور انسانی طبائع پر اس کے اثرات	نور زمان/ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد	01
بچوں کے عصری تعلیمی مسائل اور سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ان کا حل	محمد اظہر عباسی/منیر حسین	15
غذائے نبوی ﷺ میں گوشت کا استعمال (علم غذائیت میں اس کی اہمیت)	نادیہ عالم/ڈاکٹر علی اکبر الازہری	34
ریاست کے داخلی امن و استحکام میں تحفظاتی اداروں کا کردار	غلام رسول زاہد/ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی	64
دورِ "جدیدیت" میں مغربی فکر و تہذیب (ایک ناقدانہ جائزہ)	ابو الحسن احمد / ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی	90
"الإكليل في استنباط التنزيل" کی روشنی میں جہاد سے متعلق سورۃ الانفال کے مخصوص مضامین کا ایک تحقیقی جائزہ	شبیر احمد عثمانی/پرفیسر ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی	111
جان دمشقی کی تصنیف "De Haeresibus" میں مباحثِ سیرت: تحقیقی وتنقیدی جائزہ	محمد حفیظ الرحمن / ڈاکٹر حافظ محمد سجاد	129
امام غزالی کے نزدیک تزکیۂ نفس اور اُس کے مدارج	محمد اقبال/محمد انوار الحسنین	144
نظرية الإباحة الأصلية بين الرفض والقبول	الدكتور محمد نواز الحسني الدكتور ممتاز أحمد السديدي	161
Islamisation in Pakistan and its effect on English language curriculum in Khyber Pakhtunkhwa	Dr. Malik Junaid Ahmad/ Dr. Muhammad Ismail Khan	01

نوٹ: ادارہ مقالہ نگار کے پیش کئے ہوئے حقائق کی ذمہ داری قبول کرنے کا پابند نہیں ہو گا۔

زرِ تعاون

اندرون ملک قیمت: 300 روپے فی شمارہ / 500 روپے سالانہ

بیرون ملک قیمت: 30 ڈالر فی شمارہ / 50 ڈالر سالانہ

Author Guidelines

مقالہ نگاران سے ضروری گزارشات

۱۔ ''العرفان'' میں قرآن وحدیث، سیرت النبی، تصوف، فقہ، تقابل اَدیان، اسلامی فلسفہ اور اسلامی تہذیب وتمدن سے متعلقہ موضوعات پر اردو، عربی، اور انگریزی زبان میں علمی وتحقیقی غیر مطبوعہ مقالات شائع کئے جاتے ہیں۔تاہم جدید طرز کے موضوعات قابلِ ترجیح ہوں گے۔

۲۔ علمی مقالہ پہلے کسی مجلّے میں شائع نہ ہوا ہو اور نہ ہی اشاعت کیلئے کہیں اور جمع کرایا گیا ہو۔

۳۔ تمام مقالات A-4 سائز کے کاغذ پر (M.S Word) میں ایک جانب بغیر اَغلاط کے کمپوز کروا کر بھیجے جائیں۔

۴۔ تحقیقی مقالہ آخذ ومصادر سمیت 6000 سے 7000 الفاظ پر مشتمل ہو۔

۵۔ تحقیقی مقالہ Microsoft word میں کمپوز کیا گیا ہو، جس میں اُردو عبارت کے لئے Jameel Noori Nastaleeq استعمال کیا گیا ہو، جبکہ عربی عبارت کے لئے Traditional Arabic استعمال کیا گیا ہو اور انگریزی کے لئے Times New Roman استعمال کیا جائے۔

۶۔ عنوان کا فاؤنٹ سائز 25، سب ہیڈنگز (Sub Headings) کا سائز 18، متن کا فاؤنٹ سائز 14 ہو، جبکہ فٹ نوٹ (Foot Note) کا سائز 12 ہوگا۔

۷۔ مقالہ میں درج شدہ تمام حواشی وحوالہ جات (Auto Arrange) ہوں اور مقالہ کے فٹ نوٹ (Foot note) میں ہی درج کیے جائیں۔

۸۔ مقالے کے آغاز میں انگریزی میں خلاصہ (Abstract) لازماً لکھا جائے جو 150 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔علاوہ ازیں Abstract کے ساتھ Keyword بھی لکھے جائیں۔

۹۔ مقالہ نگار اپنے نام کے انگریزی ہجے، موجودہ عہدہ، نیز مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی اِرسال کرے۔

۱۰۔ حوالہ جات میں APA6th Edition Format سٹائل کو مدِنظر رکھا جائے۔نیز حوالہ جات اور آخذ ومصادر مقالے کے آخر میں فراہم کئے جائیں۔

۱۱۔ مقالہ نگار زبان کی صحت اور اسلوب نگارش کے حسن کو پیش نظر رکھے۔

۱۲۔ انگریزی مقالے میں شامل غیر انگریزی الفاظ کو لکھتے وقت (Transliteration) کے لیے ''العرفان'' مجلہ کے جدول کو مدنظر رکھا جائے۔ اسی طرح اردو مقالے کے انگریزی خلاصے میں شامل غیر انگریزی الفاظ کی نقل حرفی کے لیے بھی مذکورہ جدول کو کو مدنظر رکھا جائے۔

۱۳۔ مقالہ کی Soft copy بذریعہ e-mail یا CD میں اور Hard copy میں بھی مہیا کی جائے۔

۱۴۔ مقالے کا عنوان جدید نوعیت کا ہو جس کے نتائج سے معاشرہ مستفید ہو سکے۔

۱۵۔ مقالہ ریسرچ کے جملہ اہداف اور تقاضوں کو پورا کرتا ہوا نظر آئے۔

۱۶۔ دوسری زبانوں (عربی اور انگلش) کی غیر مروجہ اصطلاحات بریکٹ کی صورت میں دی جائیں۔

۱۷۔ صفحہ کا مارجن دائیں ''0.75'' بائیں ''0.75'' اُوپر ''1'' نیچے ''0.75'' ہو۔

۱۸۔ ادارہ ہر مقالہ نگار کو شائع شدہ مجلہ کی ایک اعزازی کاپی فراہم کرے گا۔

۱۹۔ العرفان میں چھپنے کے لئے بھیجے گئے مقالہ کی Evaluation اور Plagiarism Report کے مراحل میں اگر کوئی تبدیلی ضروری ہوئی تو مقالہ نگار کو مذکورہ بالا دونوں رپورٹس کے مطابق مقالے میں اصلاح کے لئے زحمت دی جائے گی۔

کتابتِ مقالہ کے دوران آیاتِ قرآنیہ کو پھول دار بریکٹس ﴿﴾ اور اَحادیث و اَقوال کو (Inverted Commas) میں اندراج کیا جائے گا، نیز مقالہ کے دوران حوالہ جات کے اندراج کے لیے درج ذیل اسالیب کو اپنایا جائے گا:

قرآن کا حوالہ: سورۃ بقرۃ، 56/2

حدیث کا حوالہ: بخاری، محمد بن اسماعیل، (1408ھ)، الصحیح، دار الفکر العربی، بیروت، لبنان۔ ج 1، ص 34، رقم: 109

کتاب کا حوالہ: یزدانی، ڈاکٹر خواجہ حمید، (2004ء)، شرح اسرار و رموز، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، پاکستان۔ ص 45

مجلہ کا حوالہ: اوج، ڈاکٹر محمد شکیل، نکاح و طلاق میں زوجین کے حقوق کا تعین، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، (انڈیا)، دسمبر، 2010ء، ص: 432

آن لائن دستاویز کا حوالہ: https://dorar.net/article/1716

اداریہ

احبابِ فکر و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ علم اور تحقیق باہم یک دیگر ہیں۔ جس طرح علم کی کوکھ سے تحقیق جنم لیتی ہے اسی طرح تحقیق کے جوہر سے علم ثمر بار ہوتا ہے۔ اسلامی علوم و معارف کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے ہر دور میں انسانیت کی سرپرستی جاری رکھی۔ اس نے تعمیر و تخلیق کے نئے میادین متعین کئے اور ہمیشہ مثبت سمت میں اپنا سفر جاری رکھا۔ ثانیاً یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسلامی تعلیمات کو ہر دور میں چیلنجز درپیش رہے اور اہل علم و فکر نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر چیلنج کو معاصر تقاضوں کے مطابق ایڈریس کیا۔ اس معاملے میں ہماری جامعات نے بھی اہم کردار ادا کیا اور آج بھی ہر محاذ پر جامعات کے لوگ حتی المقدور خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

منہاج یونیورسٹی کے اہم ترین شعبہ "کالج آف شریعہ" کے نمائندے شش ماہی تحقیقی شمارہ "العرفان" جامعات کے محقق اساتذہ اور طلباء کے اسی تحقیقی جذبے کو بیدار رکھنے کیلئے گذشتہ کئی دہائیوں سے کمربستہ ہے۔ حسب سابق حالیہ شمارے میں بھی ہم نے اہم ترین معاصر موضوعات کو شامل اشاعت کیا ہے۔ مشمولات مجلہ میں پہلے مضمون "تربیت کے نبوی مناہج و اَسالیب اور انسانی طبائع پر اسکے اَثرات" کے مصنف بنیادی طور پر سیرت نگار ہیں۔ انھوں نے اپنی اس تحقیقی کاوش میں سیرت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دعوتی و تربیتی اسلوب اور اس کے دوررس نتائج کا ذکر کیا ہے۔ یہ آرٹیکل دراصل مبلغین و داعیینِ اسلام کو بنیادی راہنمائی دینے کی سعی ہے۔

دوسرے مقالے کا موضوع بھی اسوۂ حسنہ ہے جس میں نسلِ نو کی تعلیم و تربیت خصوصاً پاکستان میں تعلیمی مسائل کو سمجھنے اور سیرت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روشنی میں ان کا خاطر خواہ حل تلاش کرنے کی سمت رہنمائی ہے۔ مجلہ کے تیسرے مقالے کا عنوان بھی اُسوہ حسنہ ہی ہے مگر یہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پسندیدہ کھانوں اور خصوصاً گوشت کی بنیادی طور پر اقسام کے استعمال سے متعلق ہے جس کی مؤلفہ نادیہ عالم نے بڑی محنت سے غذائے نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دلچسپ گوشوں کو متعارف کروایا ہے۔ یہ مضمون آج کل کی غذائی ناہمواریوں کے سبب پیدا ہونے والے طبی مسائل کے تناظر میں خاصہ اہم ہے۔ اس تحقیقی مقالے کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں جدید سائنسی دور میں غذائے نبوی کی اہمیت اور غذائی افادیت سے متعلق معلومات دی گئی ہیں جس سے براہ راست حکمتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ گوشہ بھی قارئین کے سامنے واضح ہو سکے گا۔

چوتھا تحقیقی مقالہ محترم غلام رسول زاہد کا ہے جس میں انھوں نے داخلی امن و استحکام میں ریاست کے تحفظاتی اداروں کے کردار کو قرآن و حدیث کی روشنی میں اجاگر کیا ہے۔ اس موضوع کی عصری معنویت اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ

ہمارے وطن عزیز میں گزشتہ کئی دہائیوں سے امن و امان کا مسئلہ ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ ہماری ملٹری اور پولیس کے علاوہ قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں تا کہ پاکستان کی داخلی صورتِ حال میں امن و استحکام آ سکے۔

پانچویں مقالہ کا عنوان اگرچہ فلسفیانہ ہے تاہم اس میں محقق نے مغربی فکر و تہذیب کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے جو مغربی تہذیب و ثقافت کے سمجھنے میں مدد گار ہو گا۔

چھٹے مضمون میں امام سیوطی کی تصنیف "الاکلیل فی استنباط التنزیل" کی روشنی میں جہاد سے متعلق 'سورۃ الانفال' کے مخصوص مضامین کا ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ساتویں تحقیقی مقالہ میں قدیم عرب مستشرق "جان دمشقی" کی معاندانہ علمی کاوشوں کا تعارف کرواتے ہوئے اسکی کتاب " De Haeresibus " کو زیر بحث لایا گیا ہے، جس میں اس نے سیرت النبی ﷺ پر بے جا اعتراضات کر کے نبی اکرم ﷺ کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ محقق نے حتی المقدور ان اعتراضات کی حقیقت اور جوابات دینے کی کامیاب کوشش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ متعصّب مغربی اہلِ قلم نے جن اعتراضات کو جان دمشقی کے سر تھوپا ہے ان میں سے بیشتر کا تعلق جان دمشقی کی تصانیف سے نہیں۔

آٹھواں مضمون حجۃ الاسلام "امام غزالی کے نزدیک تزکیۂ نفس اور اُس کے مدارج" کی مرکزی حیثیت سے متعلق ہے۔ یہ تصوف و طریقت کا بنیادی اور مرکزی موضوع ہے۔ مقالہ نگار نے امام غزالی کی عبقری شخصیت کا تعارف کرواتے ہوئے ان کے تصوف و طریقت کے اختیار کردہ راستے کی اہمیت کو بھی واضح کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ فکرِ غزالی کو قرآن و حدیث سے مربوط کیا جا سکے۔ نواں مقالہ عربی زبان میں پروفیسر ڈاکٹر محمد نواز الحسنی کا تحریر کردہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اسلامی قانون کے معروف اسکالر ہیں، انہوں نے اس مقالے میں اہم فقہی اصولوں اور انکی معاصر افادیت پر روشنی ڈالی ہے۔

آخری مقالہ انگریزی زبان میں ڈاکٹر ملک جنید احمد کا تحریر کردہ ہے، جس میں انہوں نے صوبہ خیبر پختونخواہ میں شامل نصاب انگریزی تعلیم و تدریس کو توجہ بنایا ہے۔ ان حالیہ کاوشوں کو سراہا گیا ہے جن کے تحت انگریزی کتب میں بچوں کو اسلامی تاریخ، سیرت اور دیگر موضوعات سے متعارف کروانے کی کاوش کی گئی ہے۔ تاہم اس کاوش میں تاحال بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ آخر میں ہم تمام اسکالرز حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے عرق ریزی سے ان مقالات کو مکمل کیا اور "العرفان" کے صفحات کی زینت بنانے کے لیے ہمیں ارسال کیا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان اہل علم و تحقیق کا یہ تعاون آئندہ بھی ہمیں حاصل رہے گا۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا

مدیر اعلیٰ، ششماہی العرفان

تربیت کے نبوی مناہج و اَسالیب اور انسانی طبائع پر اسکے اَثرات

(ایک اجمالی جائزہ)

☆نور زمان

☆☆ڈاکٹر مسعود احمد مجاہد

ABSTRACT

Tarbiyat and Purifications of the Human souls is one of the most important obligations of Holy Prophet ﷺ The Holy Quran has narrated it as "یزکیھم" "Tarbiyat" is a word having multi meaning. It has relation apparent actions as well as with internal actions. Allah Almighty has given the responsibility of training, grooming the human Nufoos and purifying them also to the Holy Prophets. In the Holy Quran out of the objectives of our Holy Prophet Hazrat Muhammad (ﷺ) a basic objective was the grooming of nufoos. He groomed the individuals of society according objective scenario of the Arabia that denizens of desert of the Arabia turned into the leaders of the world. The Society which was formulated because of grooming of our holy prophet (ﷺ) is peerless. Because of his methodology of grooming, human external and external reforms came into being. Thus human being succeeded in both the world.

Keywords: Aim, Education, Action, Instruction

قرآن مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تربیت نفوس کو قرار دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے مکہ اور مدینہ میں معروضی حالات و واقعات کے مطابق افراد معاشرہ کی تربیت کی۔ آپ کی تربیت کے نتیجہ مین عرب کے صحرا نشین، ایران و روم کی سلطنتوں کے وارث اور علوم و فنون میں دنیا بھر کے کے امام بن گئے۔

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، منہاج یونیورسٹی لاہور

اگر نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ کی تعلیمات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا تعلیم و تربیت کا عمل ہمہ وقت، ساتھ ساتھ چلتا رہا اور کوئی لمحہ ایسا نظر نہیں آتا جب دونوں میں سے کسی ایک پہلو سے بھی غفلت برتی گئی ہو۔ دراصل یہی آپ کی تعلیمات کی جامعیت و کاملیت ہے۔

تربیت کا مفہوم

تربیت عربی زبان کا لفظ ہے جو کہ ''تفعلة'' کے وزن پر باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کے لغوی معنی ''نشو و نما دینے، اضافہ ہونے اور بڑھنے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کے نزدیک تربیت کے اصل معنی تدریجی نشو و نما کے ہیں۔ وہ ''مفردات القرآن'' میں لکھتے ہیں:

''الرب في الأصل التربية وهو إنشاء الشيء حالا إلى حد التمام''(۱)

''لفظ رب کی اصل تربیت ہے اور وہ کسی چیز کو یکے بعد دیگرے ایک حالت سے دوسری حالت میں اس طرح نشو و نما دیتے رہنا کہ حد کمال کو پہنچ جائے۔''

اصطلاحی معنی کے اعتبار سے تربیت سے مراد انسانی قوی کی نشو و نما سے ،افکار و عقائد کی اصلاح سے اخلاق و حسنہ کو پروان چڑھانا اور اخلاق رذیلہ کو اپنے اندر سے نکالنا ہے۔ اس مقالہ میں تربیت سے مراد نفوس انسانی کے روحانی امراض کو ختم کرتے ہوئے اس کے اندر خصائل پیدا کرنا ہے۔ مزید وضاحتیں اگلے صفحات میں رقم ہو جائیں گی۔
تربیت ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اس کا تعلق ظاہری اعمال کے ساتھ، اس کے باطنی اعمال یعنی پوشیدہ اعمال سے بھی ہوتا ہے۔ اسلئے جب بھی کسی مذہب یا شخصیت کے حوالے سے نظام تربیت پر گفتگو ہو گی تو اس سے مراد ظاہری و باطنی دونوں اعمال کا صراط مستقیم اور صحیح خطوط پر استوار کرنا ہی ہو گا۔ قرآن و حدیث میں تربیت کے مترادفات اور قریب المعنیٰ استعمال ہونے والے الفاظ میں چند اہم الفاظ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تزکیہ ۲۔ تعلیم ۳۔ تذکیر ۴۔ دعوت ۵۔ موعظت ۶۔ تدریب ۷۔ تادیب

قرآن و حدیث میں تربیت کے لیے زیادہ تر تزکیہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تربیت نفس اور تشکیل سیرت کے مناہج و مبادیات:

حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کے طرز زندگی کو سنوارنے، ان کے نفوس کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر و تہذیب کے لیے کچھ مبادیات ارشاد فرمائے۔ ان مبادیات کو عصرِ حاضر کے ماہرینِ نفسیات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر

(۱) راغب اصفہانی، حسین بن محمد، (۱۴۱۸ھ)، المفردات فی غریب القرآن، دار لفکر، بیروت۔ ص:۳۳۶

افراد کی تعلیم و تعلم اور تربیت کے لیے ان مبادی کا استعمال کیا جائے تو سیکھنے کا عمل بہت آسان بھی ہو جاتا ہے اور تیزی سے انجام بھی پاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کی نفسیاتی تربیت، تعمیر سیرت اور شخصیت سازی کے لیے ان مبادی کو استعمال کیا ہے۔ یہاں ان مبادی کا اجمالی تعارف کرایا جارہا ہے۔

(ا)جذبہ ٔمحرک اُبھارنا:

تعلیم و تربیت کے عمل میں محرک بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ انسان اور حیوان اسی وقت سیکھتے ہیں جب ان کے سامنے ایسا مسئلہ آئے جو ان میں حل کرنے کی تحریک پیدا کرے۔ انسانوں میں تربیت اور تعلم کے جذبہ کو ابھارنے کے لیے مختلف ذرائع استعمال کئے جاسکتے ہیں جن میں زیادہ تر ترغیب وترھیب اور قصص کی مدد لی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایمانیات، عبادات، اوامر کی ادائیگی اور منھیات ومحرمات سے اجتناب کے لیے ترغیب وترھیب سے مدد لی ہے۔ دعوت اسلامی کے ابتدائی مرحلہ میں عقیدہ ءتوحید کی دعوت اور شرک کی مذمت کے لیے کئی ایسی احادیث ہیں جن میں فقط کلمہ ءتوحید پہ نجات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسلام قبول کرنے اور عقیدہ توحید اختیار کرنے کی فضیلت بتاتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر ولا يدخل النار من كان في قلبه مثقال حبة من إيمان''(۱)

”جنت، میں وہ داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا، اور جہنم میں وہ شخص نہیں داخل ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا“

حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ صحابہؓ نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف جواب کو لوٹایا کہ اللہ اور اسکا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

''فإن حقه عليهم أن يعبدوه ولا يشركوا به شيئا قال أتدري ما حقهم عليه إذا فعلوا ذلك قلت الله ورسوله أعلم قال أن لا يعذبهم''(۲)

---

(۱)ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی، (۱۴۱۲ھ)، السنن، مطبعۃ مصطفی البابی۔ ج۴، ص ۳۶۰، رقم:۱۹۹۸

(۲) ترمذی، السنن، ج۵، ص۲۶، رقم:۲۶۴۳

'' اللہ کا حق اس کے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے۔ جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ، ان کو عذاب نہ دے۔''

اسی طرح ایک شخص بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! دو واجب کرنے والی چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا انتقال اس شکل میں ہوا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا تو جنت میں داخل ہوا اور جس شخص کا انتقال شرک کی حالت میں ہوا وہ جہنم میں داخل ہوا۔

رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کی نفسیاتی تربیت کے لیے قصص سے مدد لیتے ہوئے ان میں دلچسپی پیدا کی۔ ان قصوں کے ذریعے صحابہ میں لوگوں کے ساتھ رحمت و شفقت کرنے، محتاجوں سے تعاون کرنے اور مظلوموں کی امداد کرنے کی تعلیم دی۔ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں لوگوں سے درگزر کرنے کا قصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے غلام سے کہتا تھا کہ جب تم کسی تنگدست کے پاس قرض وصول کرنے جاؤ تو:

''فتجاوز عنه لعل الله أن يتجاوز عنا قال: فلقي الله فتجاوز عنه''(۱)

''اس سے درگزر کیا کرو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ چنانچہ جب وہ شخص اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش ہوا تو اللہ تعالی نے اس سے درگزر فرمایا۔''

لوگوں کو حیوانات سے شفقت ورحمت کرنے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا۔ اس نے ایک کتے کو پیاس سے گیلی مٹی چاٹتے دیکھا۔ اس شخص نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس نے نڈھال کر دیا ہے۔ وہ کنویں میں اترا اپنے موزے میں پانی بھرا اور اسے اپنے منہ میں پکڑ کر اوپر چڑھا اور کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ عمل قبول فرما لیا اور اس کی مغفرت فرمادی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ قصہ سن کر عرض کیا: کیا چوپایوں کی مدد میں بھی ہم کو اجر ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر جاندار کو آرام پہنچانے میں اجر ہے۔

(۱) بخاری، ابوعبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔ ۳/۱۲۸۳، رقم: ۳۲۹۳

احادیث میں قصص اس لیے بیان کئے جاتے کہ انسان کی نفسیات ہے کہ وہ قصوں کو غور سے سنتا ہے اور ان سے سبق حاصل کرتا ہے۔ نصیحت و عبرت اور لوگوں کی نفسیاتی تربیت کے لیے قصص و کہانیاں انتہائی مؤثر طریقہ سے محرک کا کردار ادا کرتی ہیں۔

(۲) حوصلہ افزائی اور تحسین:

حضور نبی اکرم ﷺ ، افراد کے مزاج، فطرت اور نفسیات کے سب سے بڑے باخبر تھے۔ فرد کو سرگرم عمل کرے یا حصول مقصد کے لیے جس طرح محرک اہم کردار ہے۔ اسی طرح انسانی کاموں کو قوت پہنچانے اور ان میں مداومت پیدا کرنے میں معاوضہ، حوصلہ افزائی اور تحسین کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اچھے طرزِ زندگی کو استحکام بخشنے کے لیے معاوضہ ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه''(۱)

"مزدور کی مزدوری،اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کیا کرو۔"

حضور نبی اکرم ﷺ نے آجروں کو نصیحت کی کہ وہ مزدور سے کام کرانے سے قبل اس کی اجرت طے کرلیں۔ تاکہ اس میں کام کرنے کا شوق ابھرے۔ آپ ﷺ کے ایک ارشاد گرامی کے مطابق جو شخص کسی مزدور کو اجرت پے رکھنا چاہے تو اسے پہلے ہی سے اجرت سے آگاہ کردینا چاہیے۔ یہ اس لئے کہ اس میں محنت کرنے کی ترغیب پیدا ہوسکے۔

صحابہ کرام ؓ جو اچھے اعمال انجام دیتے ان پر سرکارِ دوجہاں ﷺ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ صحابہ میں جو اچھی صفات ہوتیں ان کا ذکر قدر اور عزت کے ساتھ کرکے انہیں قوت پہنچاتے۔ یہ تعریف اور قدردانی ان کے لیے مالی معاوضہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی۔ دور اول کے مسلمان مربیوں نے تعلیمات نبویہ کی روشنی میں یہ ہدایت کی کہ بچہ کی تعلیم وتربیت میں تعریف اور ہمت افزائی سے کام لیا جائے اور زدوکوب کے ذریعہ سزا دینے سے منع فرمایا۔ سوائے ان نادر حالات کے جن میں اصلاح کی تمام دوسری کوششیں ناکام ہو جانے کی وجہ سے مارنا ضروری ہو گیا ہو۔

(۱)ابن ماجہ، محمد بن یزید بن ماجہ،(س ن)،السنن، دار الفکر، بیروت۔ ۲/ ۸۱۷، رقم:۲۴۴۳

(۳)توجہ کا ارتکاز:

تربیت میں توجہ ایک مفید اور مؤثر مبادی ہے۔ توجہ مبذول کرانے کے لیے معلمین اور مربیین مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں روزمرہ کے واقعات سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ سوالات کرکے بھی سامعین کو متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ امثال اور توضیحی نقشوں سے بھی اس سلسلہ میں مدد لی جاسکتی ہے۔ اسکی تفصیلات تو اگلے ابواب میں آئیں گی۔ اس مقام پر صرف احادیث کے ذریعے تصور واضح کیا جاتا ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ بازار سے گزرتے تو آپ نے بکری کے ایک چھوٹے گال والے مردہ بچہ کو دیکھا لوگ اس سے کراہت کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ارشاد پر کہ کوئی اسے ایک درہم میں خریدے تو کوئی صحابی تیار نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بے قیمت ہے جتنا یہ مردہ بچہ تمہارے نزدیک بے قیمت ہے۔"(۱)

سوالات بھی توجہ منعطف کرنے کے لیے مؤثر اور کارآمد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی یہ اسلوب مذکور رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے مہینہ، دن اور شہر کے متعلق سوال کیا۔ صحابہ نے جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ جانتا ہے۔ آپ ﷺ ان تینوں سولات کے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''قال دماءكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا، في شهركم هذا''(۲)

> "بے شک تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبرو تم پر اسی طرح حرام ہے۔ جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر اور اس مہینہ میں حرام ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے ان سولات کا مقصد، جن کے جوابات تمام لوگوں کو معلوم تھے، حاضرین کو پوری طرح متوجہ کرنا اور آئندہ جو بات کہی جائے گی اسے سننے اور سمجھنے کے لیے سب کے ذہنوں کو مستحضر کرنا تھا۔ یہ بات مسلم ہے کی حجۃ الوداع کے موقع پر سرکارِ دوجہاں ﷺ کے یہ سوالات، صحابہ کرام ﷺ کو وصایا کرنے میں بڑے مؤثر ثابت

---

(۱)ترمذی، السنن، ص:۶۶۱، رقم الحدیث:۲۳۲۱

(۲)ترمذی، السنن، ج۴، ص۴۶۱، رقم:۲۱۵۹

ہوئے۔ ہر سوال کے بعد سید العالمین ﷺ کا خاموش وساکت رکھنا، صحابہ کے شوق کو جواب کے لیے بھڑکانا اور ان کی توجہ متعطف کرانے کے لئے ہے۔

سامعین کی توجہ متعطف کرانے کے لیے امثال کا استعمال بھی مؤثر اور معاون ہوتا ہے۔ اس طرح مجرد معانی محسوس صورتوں کی طرح پیش کئے جاتے ہیں تاکہ معنوی اور قریب الفہم ہو جائیں۔ سیرت النبی ﷺ میں اس کی متعدد مثالیں اور نظائر ملتے ہیں۔ احادیث نبوی میں تشبیہات و استعارات کے ذریعے مفاہیم و معانی سمجھائے گئے۔ یہ تشبیہات اور امثلہ سامعین کی تربیت اور شخصیت کی تشکیل و تعمیر میں معاون ثابت ہوئیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مثل ما بعثني الله به من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير أصاب أرضا فكان منها نقية قبلت الماء فأنبتت الكلأ والعشب الكثير وكانت منها أجادب أمسكت الماء فنفع الله بها الناس فشربوا وسقوا وزرعوا وأصابت منها طائفة أخرى إنما هي قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت كلأ فذلك مثل من فقه في دين الله ونفعه ما بعثني الله به فعلم وعلم ومثل من لم يرفع بذلك رأسا ولم يقبل هدى الله الذي أرسلت به''(۱)

"اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم و ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا اس کی مثال اس بارش جیسی ہے جو کسی جگہ برسی، زمین کے اچھے حصے نے پانی جذب کیا اور وہاں خوب سبزہ اگایا اور گھاس اگی اور کچھ زمین بنجر تھی وہاں پانی جمع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا۔ وہاں سے لوگوں نے پانی پیا۔ جانوروں کو پلایا اور سینچائی کی اور کچھ ناہموار چیٹیل میدان کی شکل میں تھی۔ جہاں نہ پانی رکتا ہے اور نہ گھاس اگتی ہے۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جس کو دین میں تفقہ حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے میری بعثت سے اسے فائدہ پہنچایا۔ چنانچہ اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کی طرف توجہ نہیں کی اور جس ہدایت کو دے کر مجھے مبعوث کیا گیا ہے اسے قبول نہیں کیا۔"

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ میں علم وہدایت کو مفید بارش سے تشبیہہ دی اور اس شخص کو اس ہدایت سے نفع اٹھائے اسے اچھی زمین سے تشبیہہ دی اور نفع نہ اٹھانے والوں کو سخت زمین کی مانند قرار دیا گیا۔ علم وہدایت سے دلوں میں اسی طرح زندگی آتی ہے جس طرح بارش سے زمین زندہ ہو کر سرسبز ہو جاتی ہے۔ ہدایت سے نفع اٹھانے والے،

(۱) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔ ۱/ ۴۲، رقم: ۷۹

اچھی زمین کی مانند اور نفع نی اٹھانے والے سخت زمین کی مانند قرار دیئے گئے۔ اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے نبوی ہدایت نہ سیکھی نہ عمل کیا انہیں سید العالمین ﷺ نے اس ہموار زمین سے تشبیہ دی۔ جہاں نہ پانی رکتا ہے اور نہ گھاس اور سبزہ اگتا ہے۔ یہ سب سے بدتر لوگوں میں جو نہ کسی کو نفع پہنچاتے ہیں اور نہ خود نفع اٹھاتے ہیں۔

(۴)تربیتی عمل میں تدریج:

انسان کی تعلیم و تربیت اور اس کی کردار سازی کے لئے تدریج ایک اہم عنصر ہے۔ فرد میں بری عادات کو ختم کرنے اور اچھی عادات سکھانے کے لیے تدریج سے کام لینا انسانی نفسیات کا متقاضی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی اصول کے تحت شراب اور سود کی ممانعت اچانک نہیں کی بلکہ تدریجی عمل کے ذریعے اسے ختم کیا۔

انسانی نفسیات کے سب سے بڑے ماہر، رسول اللہ ﷺ ، دعوت اسلامی کے پہلے مرحلہ میں لوگوں کو عقیدہ توحید اختیار کرنے اور بتوں کی پرستش ترک کرنے کی طرف بلاتے تھے۔ بنیادی طور پر آپ کی توجہ اس بات کی تھی کہ صحابہ کے دلوں میں ایمان کی بنیاد مستحکم کی جائے۔ انہیں نفسیاتی اور روحانی طور پر اسلام کے پیغام کی نشرواشاعت کے لیے جدوجہد کے لیے تیار کیا۔ جب ان کے دلوں میں ایمان مضبوط ہو گیا تو اس کے بعد دوسرے بہت سے موضوعات کو چھیڑا جو سماج کی تنظیم اور معاملات معاشرہ کو منظم کرنے کے لیے ضروری تھے۔

مدینہ کے گرد و نواح سے جب مختلف دیہاتی لوگ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام کے بارے میں سوالات کرتے تو آپ ان سے صرف اسلام کے بنیادی ارکان وواجبات کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے تاکہ انہیں بوجھ محسوس نہ ہو جب ان کے دلوں میں اسلام جڑ پکڑ لے گا اور ان کے سینے اسلام کے لئے کھل جائیں گے تو وہ لوگ خود بخود مستحبات کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اس سلسلہ میں درج دو روایات نمونہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں جن میں تدریج کے اصول کی وضاحت ہو جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ مجھے ایسا کام بتائیں کہ جب میں وہ کام کرلوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ''تعبد الله لا تشرك به شيئا وتقيم الصلاة المكتوبة وتؤدي الزكاة المفروضة وتصوم رمضان قال والذي نفسي بيده لا أزيد على هذا فلما ولى قال النبي ﷺ من سره أن ينظر إلى رجل من أهل الجنة فلينظر إلى هذا''(۱)

(۱) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔ ۲/۵۰۶، رقم:۱۳۳۳

"اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، پابندی سے نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس اعرابی نے عرض کی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ جب اس شخص نے جانے کے لیے پیٹھ پھیری تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی جنتی آدمی کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔"

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نو مسلموں کو اسلام میں داخل کرنے کے بعد انہیں صرف بنیادی فرائض سکھائے جانے میں حکمت یہ تھی کہ ان کے دلوں میں ایمان کی جڑیں مستحکم ہو جائیں، جب ان کے دلوں میں ایمان مستحکم ہو جائے گا۔ تو یہ خود ان کے لیے بہت سے مستحبات اور نیک اعمال سے واقف ہونے کا قوی محرک ہوگا۔ کردار سازی میں تدریج کا طریقہ اختیار کرنے سے حضور ﷺ کا مقصد درج ذیل حدیث میں مزید واضح ہو جاتا ہے۔

(۵) اختلاف طبائع کی رعایت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا ہے۔ ہر مٹی کی خاصیت جدا جدا ہے۔ جس طرح انسان رنگ کے اعتبار سے کوئی کالا ہے تو کوئی مفید، کوئی سرخ ہے تو کوئی درمیانی رنگ کا۔ اسی طرح مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے بھی لوگوں میں تفاوت ہے۔ کوئی نرم مزاج ہے تو کوئی سخت مزاج۔ کوئی پاک طنیت ہے تو کوئی بد طنیت۔ گویا لوگوں کے رنگ و آہنگ اور طبائع و اخلاق کے اعتبار سے ان کے مختلف فرق اور گروہ ہیں۔ ان میں مزاجی خصوصیات اور اثر پذیری کی صلاحیتوں میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ طبائع اثر جلد قبول کر لیتی ہیں اور کچھ بڑی دیر کے بعد۔ لوگوں کے اس طبعی اختلاف کے متعلق حضور نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں رہنمائی ملتی ہے۔ حضرت سیدنا ابو ھریرہ ب روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''الناس معادن خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا''(۱)

"لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی مانند ہیں۔ پس زمانہ جاہلیت میں جو سب سے بہتر تھا وہ اسلام میں بھی بہتر ہوگا۔ بشرطیکہ وہ دین کا فہم حاصل کرے۔"

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جس طرح سونے، چاندی اور دیگر اشیاء کی کانوں کی خصوصیات اور طبعی خصوصیات مختلف ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح ان کے طبائع، اخلاق و عادات اور جسمانی و عقلی صلاحیتوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جو شخص زمانہ جاہلیت میں ان صفات سے آراستہ تھا وہ دین اسلام میں داخل ہو کر اور دین سے تفقہ پیدا کر کے اپنے

---

(۱) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔ ۱۲۳۸/۳، رقم: ۳۲۰۳

اس بلند اور پسندیدہ معیار کو باقی رکھ سکتا ہے۔ اس طبعی فرق کی بناء پر حضور نبی اکرم ﷺ نے جب اوامر و نواہی کی تعلیم دیتے تو صحابہ کے درمیان اس طبعی فرق کی رعایت کرتے ہوئے انہیں حسب استطاعت بجا آوری کی ہدایت فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ جب ہم رسول اکرم ﷺ سے اطاعت فرمانبرداری پر بیعت کرتے تھے تو آپ ﷺ ہم سے فرماتے حسب استطاعت لوگوں کی عقلی اور ذہانتوں میں فرق کی رعایت حضور نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں ملتی جسے امام مسلم نے اپنی الجامع کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''أمرنا رسول الله ﷺ أن ننزل الناس منازلهم''(۱)

"ہم انبیاء کی جماعت کو اس بات کا حکم ملا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق ٹھہرائیں (اور گفتگو کریں)۔"

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ایک اہم قاعدہ بیان فرمایا ہے جسے آج کے دور کے ماہرین تعلیم و تربیت بھی تسلیم کرتے ہیں اور با قاعدہ اختیار کر کے اچھے نتائج پیدا کرتے ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ ہر فرد سے گفتگو، اس کی عقلی صلاحیت کے معیار سے ہو۔ لوگوں کی تعلیم و تربیت اور تہذیب و ثقافت میں مربین و معلمین ، افراد کی ذہنی و عقلی صلاحیتوں کی رعایت کریں۔ لوگوں کے انفعالی مزاج اور کیفیات کے اختلاف کی بنیاد پر حضور ﷺ نے ان کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

۱۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جن کو دیر سے غصہ آتا ہے اور جلدی ختم ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے افراد وہ ہیں جنہیں غصہ جلد آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔ تیسری قسم کے افراد وہ ہیں جنہیں جلد غصہ آتا اور دیر سے ختم ہوتا ہے۔

ان تینوں اقسام میں آخری قسم زیادہ بری ہے جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدری سے مروی درج ذیل حدیث میں ہوتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ألا وإن منهم البطيء الغضب سريع الفيء ومنهم سريع الغضب سريع الفيء فتلك بتلك ألا وإن منهم سريع الغضب بطيء الفيء ألا وخيرهم بطيء الغضب سريع الفيء ألا وشرهم سريع الغضب بطيء الفيء''(۲)

---

(۱) مسلم، ابو الحسین مسلم ابن الحجاج، (س ن)۔ الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔ ۱/۶

(۲) ترمذی، السنن، ۴/۴۸۴، رقم: ۲۱۹۱

"کچھ لوگوں کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے۔ جلد غصہ آنے کی تلافی جلد ختم ہو جانے سے ہو جاتی ہے۔ اور سنو! کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں جلد غصہ آتا ہے اور دیر سے ختم ہوتا ہے۔ تو دیکھو! سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جنہیں دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ختم ہو جاتا ہے اور سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہیں غصہ جلد آتا ہے اور ختم دیر سے ہوتا ہے۔"

اس حدیث سے انسانوں میں شخصی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ ان خصوصیات کی تحدید میں ماحول اور تفہیم و تربیت اثر انداز ہوتی ہے۔ انسانی کردار اور اسے خدوخال کی تحدید میں ماحول اور وراثت دونوں کے اثرات مسلمہ ہیں۔ بچہ کی شخصیت پر اس کے والدین بھی اثر انداز ہوتے ہیں اس کے دوست واحباب بھی۔ اس کے اساتذہ اور ادارہ بھی ان سارے امور سے اس کی شخصیت تشکیل پائے گی۔ ان سب امور کی طرف احادیث نبویہ میں واضح اشارات ملتے ہیں۔

(۶) موقع و محل کی رعایت:

حضور نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کی تربیت کے لئے ہمیشہ بہتر مواقع کی تلاش میں رہتے۔ جب بھی معلم انسانیت ﷺ کو موقع ملتا آپ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ اپنے متعلقین کی تربیت فرماتے۔ بخاری و مسلم کی ایک مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے عرض کی متی اساعۃ یارسول اللہ ﷺ ؟ (اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کب آئے گی؟) ظاہری طور پر یہ ایک عام سا سوال تھا جو کسی کے ذہن میں آسکتا تھا اس کا جواب بھی سادہ انداز سے دیا جاسکتا تھا۔ مگر جب آپ نے یہ دیکھا کہ ایک شخص پر قیامت کی فکر طاری ہے تو آپ نے جواب دینے کی بجائے خود سوال کیا۔ ماذا أعددت لها؟ (تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے) اس سوال کے ذریعے آپ نے سائل کو احتسابی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ اس سوال کے ذریعے آپ نے سائل کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کی کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ قیام کے لئے ہم نے کیا تیاری کی ہے۔ جب اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کا ذکر کیا تو آپ خوش ہو گئے آپ نے فرمایا! أنت مع من أحببت[(۱)] (تو نے جس سے محبت کی تم اسی کے ساتھ رہو گے)۔

(۷) مزاج و نفسیات کا لحاظ:

حضور نبی اکرم ﷺ کو مردم شناسی میں بہت کمال حاصل تھا۔ آپ مخاطبین کے مزاج، فطری صلاحیت اور طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے اور ان کے مزاج اور نفسیات کے مطابق ان کی تربیت فرماتے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

---

(۱) طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، (۱۴۱۵ھ)، المعجم الأوسط، دار الحرمين، القاهرة۔ مصر۔ ۱/ ۴۰، رقم: ۱۰۷

"أنزلوا الناس منازلهم"(۱)

"لوگوں سے ان کے مرتبہ کے لحاظ سے سلوک کرو"

کتب احادیث میں کئی ایسے واقعات درج ہیں کہ آپ سے مختلف افراد نے مختلف اوقات میں ایک ہی سوال کیا لیکن آپ نے سائل کے سماجی اور نفسیاتی پس منظر کے مطابق مختلف جواب ارشاد فرمائے۔

آپ اپنے متعلقین کے جذبات کا بھی پورا خیال رکھتے تھے اگر جذبات میں سرد مہری ہوتی تو حکمت کے ساتھ ان میں گرم جوشی پیدا فرماتے اگر جذبات میں اشتعال محسوس کرتے تو عملاً کوئی ایسی روش اختیار کرتے جس سے وہ سکون میں آجاتے غزوہ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد انصار کو دیا جانے والا خطبہ اور صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کے جذبات کو صحیح رخ دینا آپ کے تربیتی منہج کے مذکورہ بالا پہلو کی عمدہ مثالیں ہیں۔ محسنِ انسانیت کا یہ طرزِ عمل اپنا کر ہر مربی بہتر نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

انسانی تربیت کے نبوی اسلوب کا بنیادی امتیاز:

احادیثِ نبویہ کے مطالعہ سے انسانی تربیت کا جو منہج واضح ہوتا ہے اس میں انسان کے مادی اور روحانی پہلوؤں میں توازن اور اس کی شخصیت کی متوازن تشکیل ہوتی ہے۔ نبوی طریق تربیت کے تین اسالیب ہیں۔

۱۔ روحانی پہلوؤں کو قوت پہنچانے والا اسلوب

۲۔ جسمانی پہلوؤں کو کنٹرول کرنے والا اسلوب

۳۔ نفسیاتی صحت کے لیے ضروری خصائل وعادات کی تعلیم کا اسلوب

جہاں تک پہلے اسلوب کا تعلق ہے اس کے لیے اسلام اس بات کا داعی ہے کہ انسان اللہ پر ایمان لائے، اسے تنہا معبود مانے، تنہا اسی کی عبادت کرے۔ کسی دوسرے کو اس عبادت میں شریک نہ کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی کے ابتدائی تیرہ سال عقیدہ توحید کی دعوت میں گزارے۔ آپ ﷺ، صحابہ کے دلوں میں ایمان کی جڑیں مضبوط کرتے، قرب الہیٰ اور عبادات کے ذریعے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے۔ عربوں کو بدلنے میں ایمان باللہ کا بڑا دخل ہے۔ اس کی وجہ سے وہ دورِ جاہلیت کے بہت سے اخلاق وعادات سے دست کش ہوگئے اور ان کی عقلیں جہل وخرافات سے آزاد ہو گئیں۔ ایمان باللہ سے دل انشراح، خوشی اور احساس خوش بختی سے معمور ہو جاتا ہے جبکہ تقویٰ انسان کو اپنی ذات سنوارنے، اپنی صلاحیتوں اور معلومات کو بڑھانے پر آمادہ کرتا ہے۔ عبادات کی ادائیگی سے انسان

(۱)ابوداوٗد، سلیمان بن اشعث،(۱۹۹۴ء). السنن، تحقیق: شعیب الارنؤوط، دارالفکر، بیروت۔ ۴/۲۶۱، رقم:۴۸۴۲

مشقتوں پر صبر کرنا، نفس سے مجاہدہ کرنا، خواہشات پر قابو پانا اور لوگوں سے محبت اور حسن سلوک سیکھتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ عبادت انسان میں سماجی اشتراک و تعاون اور اجتماعی کفالت کے جذبات کو پروان چڑھائی ہے۔

اسلام جسمانی محرکات ان فطری تقاضوں کو کچلنے اور ختم کرنے کا داعی نہیں بلکہ انہیں منظم، مربوط اور ان پر قابو پانے کی ایسی تعلیم دیتا ہے جس سے فرد اور جماعت دونوں کی مصالح ملحوظ ہوں، قرآن مجید کی طرح احادیث نبویہ میں اس مقصد کے لیے ایک طرف تو جسمانی و نفسیاتی خواہشات کو جائز طریقہ سے پوری کرے کی تعلیم دی جاتی ہے تو دوسری طرف اسراف و تبذیر اور افراط و تفریط سے روکا گیا ہے۔

جہاں تک تیسرے اسلوب کا تعلق ہے تو اس مقصد کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو ایسی ہدایات ارشاد فرمائیں جس سے ان کی تاثراتی و سماجی پختگی، شخصیت کی تشوونما کے لیے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے، سماج کی نرمی اور زمین کو آباد کرنے میں اچھا کردار ادا کرنے کی خوبیاں پیدا ہوں اور وہ نفسیاتی صحت سے مالا مال متوازن زندگی گزار سکیں۔ ان میں خود اعتمادی، احساس ذمہ داری، استغناء، قناعت اور رضا بالقضا جیسے اوصاف پیدا ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسان کی شخصیت کی تعمیر اور صحابہ کرام کی ایسی تربیت کی جس سے ان کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کی حفاظت ہو اور وہ کامل، قوی، سرگرم، خوش نصیب اور مطمئن افراد بن سکیں۔ صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ وہ اپنے زمانے میں دنیا کے تمام لوگوں سے ان اوصاف میں سبقت لے گئے اور تاریخ کے نابغہ روزگار افراد بن گئے۔ قرونِ اولیٰ اور بعد کے ادوار میں صوفیہ نے اپنے زیر تربیت افراد کی تربیت بھی اسی نبوی طریق سے اس طرح کی کہ ان میں وہ شخصی اوصاف پیدا ہو گئے جس سے وہ دنیا و آخرت کی کامیابیوں کے مستحق بن گئے۔

خلاصہ بحث:

کامل اور متوازن شخصیت کا سب سے کامل نمونہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات میں مادی اور روحانی دونوں پہلو پورے توازن کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی تعلیمات کامیاب اور متوازن شخصیت کے لیے بہترین رہنمائی کرتی ہیں۔ تمام قابل تعریف اخلاقی اوصاف اور شخصی کمالات آپ ﷺ کی ذات میں جمع تھے اور آپ ﷺ نفس مطمئنہ کے اس کمال پر فائز تھے جس میں اعلیٰ و متوازن شخصیت کی تشکیل کے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے۔ مربین و معلمین کے لیے آپ کا منہج، مثالی اور معیاری حیثیت کا حامل ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

١. القرآن الکریم
٢. احمد بن حنبل، (س۔ن)، المسند، مؤسسۃ قرطبہ، مصر۔
٣. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (١٩٨٧ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت
٤. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، (١٤١٢ھ)، السنن، مطبعۃ مصطفی البابی
٥. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (١٩٩٤ء). السنن، تحقیق: شعیب الارنووط، دار الفکر، بیروت
٦. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، (١٤١٨ھ)، المفردات فی غریب القرآن، دار الفکر، بیروت
٧. طبرانی، ابو القاسم سلیمان بن احمد، (١٤١٥ھ)، المعجم الأوسط، دار الحرمین، القاہرۃ، مصر
٨. ابن ماجہ، محمد بن یزید بن ماجہ، (س۔ن)، السنن، دار الفکر، بیروت
٩. مسلم، ابو الحسین مسلم ابن الحجاج، (س۔ن)۔ الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت

بچوں کے عصری تعلیمی مسائل اور سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ان کا حل

(وطنِ عزیز کے نظامِ تعلیم کے تناظر میں)

☆ محمد اظہر عباسی

☆☆ منیر حسین

ABSTRACT

The children are the best asset for a great future of a nation. The strong nations are those who train the children in a way that they can play their role for the empowerment of the whole society. The nations who fail in the training of children or do not fulfil all essential requirements, they faced unexpected challenges in the future. One of the most critical elements for children is education. Education is the key to success. Through education, children are not provided knowledge only; they are also taught that how they have to lead their lives and can tackle social, economic and other challenges and problems that they will face in the future. In the present time, children are facing different issues regarding their education, hence the solutions are required to solve those issues. The solutions can be found and derived from the life of Prophet (peace be upon him). In this study, the problems in the education of children are enumerated, factors behind them are highlighted, and finally, the solutions from the teachings of the Holy Prophet (peace be upon him) are provided.

Keywords: Islam,Education,Childern problems,Slutions

انسان جسم وروح کا مرکب ہے اور کامل مسلمان وہی ہوسکتا ہے جو اپنے ظاہر کے ساتھ باطنی تعمیر و ترقی کے لیے بھی فکر مند ہو ، جب کہ باطنی و روحانی ارتقاء کا مدار سنتِ نبویہ اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق عمل پر ہے۔ اس لیے ایک مسلم معاشرے کے قیام کے لیے تمام افراد کا دینی مزاج و مذاق سے ہم آہنگ ہونا اور شرعی

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر / لیکچرار منہاج یونیورسٹی لاہور

☆☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر / لیکچرار منہاج یونیورسٹی لاہور

احکام سے آراستہ ہونا لازمی ہے ۔ بچے اور نوجوان کسی بھی معاشرے کی بنیادی اِکائی کی حیثیت رکھتے ہیں، جس پر سوسائٹی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾(۱)

"ہم نے انسان کو بہترین خلقت (فطرت) پر پیدا کیا ہے"

قرآنی تصور کے مطابق انسانی فطرت کا خمیر نیکی سے اٹھاہے۔انسانی اعمال میں کجی اور برائی کا ظہور دراصل سماجی عوامل، تعلیم، معاشرتی تربیت کا نتیجہ ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ''(۲)

"ہر بچہ اپنی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔"

مقالہ ھذا میں بچوں کے عصری تعلیمی مسائل بیان کرنے کے بعد سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ان کا حل بیان کیا جائے گا اور درج ذیل مقاصد کو زیرِ بحث لایا جائے گا:

۱۔بچوں کے عصری تعلیمی مسائل کا جائزہ لینا

۲۔ تعلیمی مسائل کی وجوہات کا جائزہ لینا

۳۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں بچوں کے تعلیمی مسائل کا حل پیش کرنا

بچے کسی بھی قوم کے روشن مستقبل کی ضمانت ہیں۔جو قومیں بچوں کی تعلیم و تربیت صحت و نگہداشت کے بارے میں لاپروائی کا مظاہرہ کرتی ہیں ان کا مستقبل بھی اسی تناسب سے غیر یقینی ہوتا ہے۔ طفل کی جمع اطفال ہے۔عرف عام اور اردو میں بچہ یا بچے کو کہا جاتا ہے یہ وہ کمسن افراد ہوتے ہیں۔ جن کی عمریں مختلف ممالک کے قوانین میں مختلف ہوں۔ مثلاً بعض ممالک میں ۱۶ سال تک طفل کہلاتا ہے اور بعض میں ۱۸ سال تک۔ اسلام میں بچے کا تصور بلوغت تک ہے چاہے وہ ۱۳ سال کی عمر تک ہو چاہے ۱۶ تک۔

(۱)سورۃ التین، ۹۵/ ۴

(۲)بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔۱/ ۴۶۵، رقم:۱۳۱۹

لغت عرب میں بچے کے لیے مختلف الفاظ بولے جاتے ہیں جن میں (الرضیع، الفطیم، الصبی، الطفل، الغلام، الولید اور المراھق) زیادہ مشہور ہیں۔[1] اقوام متحدہ کے ادارے یونیسف نے بچے کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"Definition of the child (Article 1): The Convention defines a 'child' as a person below the age of 18, unless the laws of a particular country set the legal age for adulthood younger"[2]

"کسی خاص ملک کے قوانین اگر بچے کی عمر کو واضح نہ کریں تو پیدائش سے لے کر ۱۸ برس تک کا انسان 'بچہ' کہلاتا ہے۔"

اس تعریف کی روشنی میں یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ بچے کا اطلاق اس کی پیدائش سے لے کر بلوغت کی عمر تک ہے۔ اسی وجہ سے ہر عمر کے بچے کے مسائل بھی مختلف ہوتے ہیں۔ یہ مسائل انفرادی، نفسیاتی، جسمانی، معاشرتی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ماحول، وقت اور حالات کے بدلنے سے یہ مسائل بھی تبدیل ہوتے ہیں۔

بچوں کے عصری تعلیمی مسائل:

فن لینڈ دنیا کی معیاری تعلیم کے حوالے سے پہلے نمبر پر ہے جہاں تعلیمی ادارے حکومت کے زیر سایہ چلتے ہیں، فن لینڈ کے تعلیمی اداروں میں طالب علموں کو کتابی کیڑا بنانے کے بجائے ان کو پریکٹیکل ہنر سیکھایا جاتا ہے، یہ ہی وجہ ہے کہ فن لینڈ کا معیاری تعلیمی نظام دنیا بھر میں ماڈل سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تمام شہری ایک جیسی تعلیم حاصل کرتے ہیں چاہے کوئی نچلے طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا منہ میں سونے کی چمچ لے کر پیدا ہوا ہو۔ تعلیم نظام کسی میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اسی لئے اس ملک کے شہر اور دیہات میں بسنے والوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ سب کو ایک سی تعلیم دی جاتی ہے۔ فن لینڈ نے امریکا جیسے سپر پاور کو بھی تعلیمی میدان میں چت کر دیا ہے۔ پاکستان ایجوکیشن شماریات ۲۰۱۷ کے مطابق، پاکستان میں اس وقت تقریباً دس کروڑ لوگ ناخواندہ ہیں جن میں سے تقریباً دو کروڑ چالیس لاکھ بچے ہیں۔ جہاں تک سکولوں میں داخل بچوں کی بات کی جائے تو اس وقت پاکستان کے سرکاری اور پرائیویٹ سکولوں میں کم از کم ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ بچے زیرِ تعلیم ہیں۔ سکولوں میں داخل ان بچوں کے پڑھنے اور سیکھنے

(۱) رازی، محمد بن ابی بکر عبد القادر، (۱۹۹۵ء)، مختار الصحاح، بیروت، دار الکتب العلمیہ۔ ص ۱۰۹، ۲۱۱، ۳۰۶

(2)https://www.unodc.org/documents

کی بات کی جائے تو بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی وجہ سے وہ تعلیمی مدت مکمل نہیں کرپاتے یا پھر علمی فراغت کے بعد ملک و قوم کی ترقی میں خاطر خواہ کردار ادا نہیں کرپاتے۔ذیل میں ان مسائل کو اجمالی طور پر تین درجات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔انفرادی مسائل ۲۔معاشرتی مسائل ۳۔حکومتی مسائل

ا۔انفرادی مسائل

بچے کی زندگی کی ابتداء پلانٹیشن سے ہو جاتی ہے۔ جب تک بچہ ماں کی باطنی گود میں رہتا ہے اس کی ہر طرح کی نشوونما اس کی ماں کرتی ہے۔بچے کی نشوونما کے سلسلے میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں growthاور development۔ ان دونوں میں فرق ہے جسمانی نشوونما یعنی شکل و صورت کا بننا، قد کا بڑھنا، توانا ہونا یہgrowthہے جبکہ دماغی، اخلاقی، فکری نشوونما کوdevelopmentکہتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ابتدائی زندگی میں تین چیزیں اس کے ساتھ چلتی ہیں اس کی نشوونما، development اور تعلیم جس طرح بچہ کا جسم بڑھتا ہے ساتھ ہی ساتھ اس کی ذہنی، جذباتی، نفسیاتی، معاشرتی، روحانی اور ثقافتی نشوونما بھی ہوتی ہے۔ تعلیمی نفسیات سے مراد ایسا علم ہے جو ان تبدیلیوں کی تشریح کرتا ہے جو تمام اشخاص میں ان کی پیدائش سے لے کر جوانی تک نشوونما کے مختلیف درجوں میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یہ علم ان حالات پر بحث کرتا ہے جو بچوں کی نشونما پر اچھے یا برے طریقے سے اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔(۱)

مغربی مفکر"Woodhead Martan"اپنی کتاب میں بچوں کی نفسیات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "تعلیمی اور نیورولوجیکل تحقیق کے مطابق بچے کی زندگی کے پہلے پانچ سال نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جن میں وہ سیکھنے کے عمل سے گزرتا ہے اور یہ سیکھنے کا عمل بہتر زندگی گزارنے میں معاونت فراہم کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر بچے کی زندگی کے پہلے پانچ سالوں میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے تاکہ وہ بچہ بڑا ہو کر معاشرے کا مفید فرد بن سکے نہ کہ معاشرے پر بوجھ بنے۔"(۲)

ہمارے معاشرے میں عام طور پر بچوں کے نفسیاتی مسائل کو سمجھا نہیں جاتا اور نہ اس کے بارے میں کسی طرح کی آگہی دی جاتی ہے۔جس کی وجہ سے بچے اپنی چھوٹی عمر سے تعلیمی عمل سے دور ہو جاتے ہیں۔

---

(۱)مقبول احمد،(س۔ن)،اساسیات علم التعلیم، علمی کتب خانہ، لاہور۔ص۴۶

(2)Woodhead, Martin. 1988. "When Psychology Informs Public Policy: The Case of Early Childhood Intervention." American Psychologist P:443

معاشرتی مسائل

کسی بھی سماج اور فرد کے مستقبل پر بچپن میں کی جانے والی تعلیم و تربیت اور تحفظ کی فراہمی کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔whitebreadاپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"زندگی کے اس ابتدائی حصے میں والدین اور معاشرے کی طرف سے برتی گئی عدم توجہی سے بچے کی شخصیت سازی کے تقاضے پورے نہیں ہوسکتے جس کا بحیثیت مجموعی پورے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔"(۱)

معاشرتی حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے بھی بچے تعلیمی میدان ناکام رہتے ہیں ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اپنے کتاب "بچوں کا استحصال"میں لکھتے ہیں:

"اگر ہم بغور جائزہ لیں تو یہ تلخ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ بچے ہمارے معاشرے کا ایک مظلوم طبقہ ہیں۔ وہ جہاں کھیل کود، تفریح، تعلیم اور صحت جیسی بنیادی حقوق سے محروم ہیں وہیں جبری مشقت، اغواء برائے تاوان اور جنسی تشدد جیسے قبیح معاشرتی افعال کا بھی تسلسل سے شکار ہیں۔ جہاں وہ جاگیر اور سرمائے کے تحفظ کے لئے بنائی گئی سیاسی پالیسیوں کی وجہ سے غربت میں پیدا ہوتے ہیں وہیں دہشت گردی اور ریاستی مفادات کے نام پر مسلط کردہ جنگوں کا نشانہ بھی بن رہے ہیں۔پاکستان دنیا میں بچوں کے حقوق کے حوالے سے موجود بین الاقوامی معاہدوں کا دستخطی ہے مگر جب ان پر عمل درآمد کی بات آتی ہے تو پاکستان کا نام سب سے آخر میں آتا ہے۔ ملکی آئین میں بھی بچوں کے تحفظ کے حوالے سے قوانین موجود ہیں لیکن ان پر عمل درآمد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ بحیثیتِ مجموعی بچوں کے لئے انتہائی غیر محفوظ بن کر رہ گیا ہے۔"(۲)

معاشرتی نشوونما میں جذبات بہت اہم حصہ لیتے ہیں بچے کا جذباتی نظام زیادہ تر والدین کی جذباتی عادتوں کا مرہون منت ہوتا ہے ابتدا میں بچہ اپنے والدین پر بے انتہا جذباتی فخر محسوس کرتا ہے وہ ان کے کردار اور اطوار کو اخلاق اور انسانیت کا بہترین

---

(1) Whitebread, David, Sue Bingham, L. Vygotsky, B. Martin-Korpi, B. Martin-Korpi, 2011. "Developmental Psychology and Early Childhood Education." Nursery World P:5-100

(۲) حسین محی الدین،(ڈاکٹر)،(۲۰۰۹ء)،بچوں کا استحصال، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔ ص۵۶

نمونہ سمجھتا ہے بدمزاج اور ترش رو والدین اپنی غیر متوازن زندگی سے اپنے بچوں پر برا اثر ڈالتے ہیں ان کے بچے بھی عموماً غصیلے اور جھگڑالو نکلتے ہیں۔Zigler Edward کے مطابق:

"بچے کی معاشرتی تربیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ انہیں دوسروں کے حقوق نظریوں اور خواہشوں کا احترام کرنا سکھایا جائے محو بالذات اور نرگس رجحان اپنا لینے کی صورت میں ان کی معاشرتی نا اہلی میں اضافے کا شدید خطرہ ہو جاتا ہے اور ان کی ازدواجی معاشرتی اور اقتصادی زندگی بھی خطروں اور حادثوں کی نذر ہو جاتی ہے ان مضر رجحانوں کا مناسب علاج کرانے کے لیے بچے کو دوسرے پر اپنے کردار کا اچھا یا برا اثر مشاہدہ کرنے کی معاشرتی تربیت دینا ضروری ہے تربیت کے اس عمل کو حتی الوضع دلچسپ اور آسان بنانا چاہیے اپنی ذاتی الجھنوں اور بالغ نظریوں کو بچوں پر اندھا دھند تھوپنے سے گریز کرنا چاہیے اس غلط فہمی میں مبتلانہ ہونا چاہیے کہ کسی بات کو سمجھنے کے لیے بچوں کے اپنے انوکھے اور انفرادی طریقے یا تو ہوتے ہی نہیں اور اگر ہوں تو تعلیم و تربیت کے سنجیدہ عمل میں ان طفلانہ طریقوں کو کامیابی سے ٹھکرایا جاسکتا ہے، بچے کی جذباتی حاجتوں کی وقت پر مناسب طریق سے تشفی ہوتی جائے تو اس میں معاشرے کا متوازن اور تندرست فرد بننے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔"(۱)

اس کی زندگی کے ان ادوار کے مخصوص تقاضوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اس وقت بچے کو ایسی تعلیم دینی چاہیے اور ایسے کام سونپنے چاہئیں جو اس کی جسمانی اور ذہنی سطح سے بلند نہ ہوں۔ بچوں میں اپنے ہر فرض اور ہر مقام کو خود پہنچانے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔ ابتدائی معاشرتی تعلیم و تربیت میں ان تمام باتوں کا خیال رکھا جائے تو بچے کا کردار معاشرے کی قدروں اور بنیادوں کے قریب آجاتا ہے اور زندگی کے کسی مقام پر اس سے خلاف معاشرت حرکتوں کے سرزد ہونے کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے۔ معاشی تنگدستی اور غربت بھی بچے کی تعلیمی نشو نما اور ترقی میں عام طور پر رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ ترقی یافتہ اقوام میں بچوں کی تعلیم کی شرح ترقی پذیر ممالک سے کہیں زیادہ ہے اور اس کی بڑی وجہ معاشی آسودگی ہے۔ دنیا کے سینتیس ممالک میں تقریباً ۱۸۰ ملین بچے شدید غربت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ بیس برس پہلے کے مقابلے میں یہ بچے اسکول نہیں جاسکتے اور ان کی اموات انتہائی برے حالات کی وجہ سے ہو رہی ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال یونیسیف کی ایک تازہ رپورٹ کے مطابق:

(1)Zigler, Edward F. 2000. Handbook of Early Childhood Intervention. Cambridge University Press,P:27

"دنیا میں بچوں کا معیار زندگی بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ دنیا کے کئی ممالک میں جاری بدامنی، تنازعات، جنگوں اور ناقص حکومتی کارکردگی کی وجہ سے ہر بارہ میں سے ایک بچہ متاثر ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت دنیامیں بچوں کی تعداد تقریبا2.2 ارب ہے۔"(۱)

بچے کی تعلیمی کارکردگی متاثر ہونے کی اہم وجوہات میں سے ایک وجہ منشیات کا استعمال ہے۔ اگر معاشرہ میں منشیات کا استعمال کھلے عام ہو گا تو اس سے بچوں کی تعلیم بھی متاثر ہو گی۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق :

"پاکستان میں" ٦٧ لاکھ "افراد منشیات کا استعمال کرتے ہیں جن میں" ٧٨ فیصد مرد" اور" ٢٢ فیصد خواتین" ہیں۔ پریشان کن بات یہ ہے کہ ٦٧ لاکھ لوگوں کی بڑی تعداد" ٢٤ سال" سے کم عمر افراد کی ہے۔ سب سے افسوسناک بات یہ ہے، پاکستان کے کئی بڑے تعلیمی اداروں میں منشیات کے استعمال کی بازگشت سنائی دینے لگی ہے جس سے اساتذہ اور والدین دونوں ہی پریشان ہیں۔ اکثر والدین تو اس وجہ سے پریشان ہیں کہ کہیں ان کے بچے اس بری عادت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اکثر اپنے بچوں کے منشیات کے عادی ہو جانے کی وجہ سے ذہنی تناو کا شکار ہیں۔"(۲)

غیر سرکاری ادارے "ساسی" کی سربراہ کا کہنا ہے کہ" ١٨"ماہ کے سروے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہمارے سرکاری تعلیمی اداروں کے بچے بالعموم اور نجی تعلیمی اداروں کے بچے بالخصوص کسی نہ کسی صورت میں منشیات کے عادی ہیں جس کی شرح ٤٣" سے ٥٣ فیصد" ہے۔ تازہ ترین رپورٹ کے مطابق پاکستان میں منشیات اور نشہ آور ادویات کا غیر قانونی استعمال کرنے والے افراد کی تعداد ٦٦" لاکھ" ہے، اور ان میں بھی سب سے بڑی تعداد ٢٥ سے لے کر ٣٩ برس تک کی عمر کے افراد کی ہے۔ دوسرا سب سے بڑا گروپ پندرہ سال سے لے کر چوبیس سال تک کی عمر کے نوجوانوں کا ہے۔ ان قریب سات ملین افراد میں سے بیالیس لاکھ ایسے ہیں، جو مکمل طور پر نشے کے عادی ہیں۔ منشیات کی اس لعنت سے بڑوں کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بہت چھوٹے بچے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ گھر کا سربراہ جب نشہ کرتا ہے تو اس کا پورا خاندان" پیشہ ور گداگر" بن جاتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تیز منشیات کے استعمال کا آغاز چھوٹے نشوں سے ہوتا ہے، جیسے سگریٹ، پان اور گٹکے وغیرہ کا استعمال۔ انہی سے بعد میں "افیون اور چرس" جیسے نشوں کی لت پڑتی ہے۔ والدین کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو نشے جیسی لعنت سے

(1). https://www.unodc.org/documents

(2)United Nations. 2016. "Education and Literacy in Pakistan." November 27, 2016. unesco.

بچانے کے لیے میدان عمل میں آئیں اوراپنے بچوں پہ کڑی نظر رکھیں تاکہ خاندان کسی بڑی اذیت کا سامنا کرنے سے بچا رہے۔(۱)

سائنسی ایجادات نے جہاں انسان کی زندگی کو سہولت سے ہمکنار کیاوہاں اس کے اثرات نے بھی ہر طبقہ زندگی کو متاثر کیا ہے جس میں بچوں پر اس کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔''انٹرنیشنل جرنل آف الیکٹرونک'' کے مضمون میں نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ:

"بچوں پر موبائل فون و دیگر ٹیکنالوجی ڈیوائس کے خطرناک اثرات مرتب ہورہے ہیں، اور والدین خود اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ہاتھوں میں آئی پیڈز اور موبائل فون دے کر انہیں خطرناک بیماریوں میں مبتلا کررہے ہیں۔ موبائل فون اور آئی پیڈز کے بے انتہا استعمال سے بچوں میں کینسر اور برین ٹیومر جیسے امراض کے امکانات ۶۰ فیصد تک بڑھ جاتے ہیں۔ اکثر والدین کی شکایت ہوتی ہے کہ ہمارا بچہ ضدی اور بدتمیز ہوتا جارہاہے، ہر وقت انٹرنیٹ اور سوشل میڈیاپر مصروف رہنے لگاہے، ہماری کوئی بات نہیں سنتا۔ یہ والدین اور بچوں میں دوری کا سبب بن رہاہے۔ ہم اپنے بچپن میں کہانیاں پڑھتے تھے اور اپنے تصورات میں ان کرداروں کو تخلیق کرتے تھے۔ بدقسمتی سے ہمارے بچے مطالعے سے دور ہوچکے ہیں۔ اسی دوری کی بدولت ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں کمی پیدا ہورہی ہے۔ بچوں کا اعصابی نظام روزبہ روز کم زور ہورہاہے۔"(۲)

عالمی ادارۂ صحت نے دنیابھر کے والدین کو خبردار کیاہے کہ وہ اپنے کم عمر بچوں کے ہاتھ میں موبائل فون ہرگز نہ دیں۔ امریکن ایسوسی ایشن کی رپورٹ کے مطابق موبائل فون اور آئی پیڈز سے خارج ہونے والی الیکٹرومیگنیٹک لہریں ہمارے بچوں کو ذہنی طورپر متاثر کررہی ہیں، خاص طورپر دوسے بارہ سال کی عمر کے بچوں پر ان لہروں کے خطرناک اثرات مرتب ہورہے ہیں جو مستقبل میں ہمارے بچوں کو ذہنی وجسمانی بیماریوں میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ والدین کی ذمے داری ہے کہ اپنے بچوں کواس نقصان دہ عادت سے چھٹکارادلائیں، ان کا بیشتر وقت جو موبائل فون وکمپیوٹر اسکرین کے سامنے گزرتاہے اُس وقت کو مطالعے میں لگوائیں۔ مطالعے سے نہ صرف ان کی سیکھنے کی صلاحیت بڑھے گی بلکہ ان کے تعلیمی نتائج پر بھی خاطر خواہ

---

(1) http://www.sasinc.org/document

(2) Huda, Miftachul, Kamarul Azmi Jasmi. 2017. “Empowering Children with Adaptive Technology Skills: Careful Engagement in the Digital Information Age.” International Electronic Journal of Elementary Education,P: 693–708

اثر ہو گا۔ عالمی ادارۂ صحت کی اپیل پر مختلف ممالک میں بارہ سال سے کم عمر بچوں کے موبائل فون کے استعمال پر قانونی پابندی اور جرمانہ عائد کر دیا گیا ہے۔

حکومتی مسائل:

آج تک جو کچھ پاکستان میں نظام تعلیم کے حوالے سے ہوتا رہا ہے اُس کو ایک معیاری نظام تعلیم نہیں کہا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی نئی نسل کے اندر انتہا پسندی، دہشت گردی اور جہالت کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ہم کیسے ان ہونہار اور نوجوان طلبہ و طالبات سے ملک و قوم کے روشن مستقبل کے لیے کچھ کرنے کی امید رکھ سکتے ہیں؟ موجودہ فرسودہ نظام تعلیم ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اس لیے اس نظام تعلیم سے بہترین سائنس دان، استاد، ڈاکٹر، انجینئر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر انصار زاہد لکھتے ہیں:

"بشمول دیگر عوامل کے پاکستان میں رائج نظامِ تعلیم میں عدم مساوات بھی بچوں کی تعلیمی نشو نما میں اہم روکاوٹ ہے۔ عدمِ مساوات کے باعث متذکرہ بالا تعلیمی نظام نصاب تعلیم، طریقہ تدریس اور تعلیم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان اداروں میں طلباء بھی مختلف سماجی اور اقتصادی پس منظر سے آتے ہیں جن میں عام طور پر کچھ بھی یکساں نہیں ہوتا۔ پسماندہ علاقوں سے تعلق رکھنے والے وہ لوگ جو حصول علم کے لئے کم فیس بھی ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے، ان کے پاس اِس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ مدارس کو اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے منتخب کریں کیونکہ دینی مدارس ان بچوں کو مفت رہائش، خوراک اور مذہبی تعلیم فراہم کرتے ہیں یہاں تک کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد طلباء کے پاس زندگی میں بہت محدود ملازمت کے مواقع ہوتے ہیں۔ اِس احساسِ محرومی کے باعث وہ انتہا پسندی کا جلد شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ ایسے افراد جب ایک ہی معاشرے میں رہنے والے افراد میں طبقاتی تضاد دیکھتے ہیں اور اپنی ہی عمر کے اُن نوجوانوں کو دیکھتے ہیں جو انگلش میڈیم اداروں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد زندگی کی تمام سہولیات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اُن کے مقابلے میں اِن کے پاس بنیادی ضروریات پوری کرنا بھی دشوار ہے۔ لامحالہ ایسے نوجوانوں میں احساس کمتری، غصہ، حسد اور بدلہ لینے کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔ جو بآسانی انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے آلہ کار بن جاتے ہیں۔ مذہبی مدارس اسکولوں کی دوسری category ہے جو غریب بچوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرتے ہیں۔ ریاست کی سماجی اور معاشی ناانصافیوں کو نظر انداز کرنے کے باعث معاشرے میں جو خلا پیدا ہوا ہے، مذہبی مدارس نے اس خلا کو پر کیا ہے۔ یہ مدارس اپنے طلباء کو نہ صرف مفت

تعلیم فراہم کرتے ہیں بلکہ انہیں مفت رہائش، خوراک اور دیگر ضروریاتِ زندگی بھی مہیا کرتے ہیں۔ نیز تعلیم کے اختتام پر مساجد میں ایک قسم کی ملازمت بھی دیتے ہیں۔"(۱)

ہمارا نصاب تعلیم بھی مقصدیت سے عاری ہے جس کی وجہ سے بچوں کی تعلیم پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں Juma Audrey لکھتے ہیں:

"نصاب تعلیم کا انحصار ریاست کی قومی تعلیمی پالیسی پر ہوتا ہے، جس میں مستقبل کے اہداف کا تعین کیا جاتا ہے۔ وقت اور حالات کے تحت جہاں دیگر ریاستی امور و معاملات تبدیلیوں اور تغیرات سے گزرتے ہیں۔ وہیں تعلیمی اہداف بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چونکہ نصاب تعلیم قومی اہداف سے مشروط ہوتا ہے، اس لیے اس میں بھی وقتاً فوقتاً تبدیلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"(۲)

تربیت یافتہ اساتذہ کی کمی، بھی بچوں کی تعلمی پسماندگی کا اہم جزہے زہرہ ناصر لکھتی ہیں:

"ایک ترقی دوست ریاست رونما ہونے والے اندرونی و بیرونی تغیرات کا ادراک کرتے ہوئے اپنی دیگر پالیسیوں کے ساتھ تعلیمی نظام کی فعالیت کو برقرار رکھنے کی خاطر اس میں بھی حسب ضرورت ترامیم و اضافہ کرتی رہتی ہے۔ پاکستان کے نظام تعلیم میں گو کہ مختلف ادوار میں تبدیلیاں ضرور لائی گئیں، لیکن یہ تبدیلیاں حقیقت پسندی کا مظہر ہونے کے بجائے فکری پسماندگی کے زیر اثر زیادہ رہی ہیں جس کی وجہ سے نظام تعلیم معاشرے پر خاطر خواہ مثبت اثرات مرتب کرنے میں ناکام ہے۔"(۳)

یونیسکو رپورٹ کے مطابق پاکستان کی تعلیمی پالیسی پرائمری سطح پر بچوں میں ایک کامیاب انسان بننے کی خصوصیات پیدا کرنے کے لئے ناکافی ہے نجی تعلیمی اداروں میں اضافہ بھی مسئلے کو حل کرنے کے بجائے اسے مزید اضافہ کر رہا ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں سے چند کا قیام تو ایک خاص مشن کے طور پر عمل میں لایا گیا جبکہ بعض کو مکمل طور پر کاروبار کی نیت سے وجود بخشا گیا۔ ان تعلیمی اداروں میں زیادہ تر اساتذہ کی تربیت کا کوئی انتظام موجود نہیں۔ جبکہ سکول چلانے والے ڈائریکٹر صاحبان بھی

---

(۱) انصار زاہد، (۱۹۸۴ء)، پاکستان میں تعلیم و تدریس مسائل و مشکلات، کراچی، مجلہ علم و آگہی۔ ص ۴۸

(2)Juma, Audrey. 2004. "Improving Practices in Early Childhood Classrooms in Pakistan: Issues and Challenges from the Field." Contemporary Issues in Early Childhood 5 (3): P:402–407.

(3)Hunzai, Zohra Nisar. 2007. "Early Years Education in Pakistan: Trends, Issues and Strategies." International Journal of Early Years Education 15 (3): P:297–309

ایسے ہیں جو بے روزگاری سے تنگ ہو کر سکول کھولنے پر مجبور تھے۔ ایسے اداروں میں نصاب تو کیمبرج اور آکسفرڈ کا پڑھایا جاتا ہے لیکن اساتذہ کی اہلیت کے حوالے سے معاملہ خطرناک حد تک تشویش ناک ہے۔ میٹرک لیول پر پہنچ کر کچھ اداروں کے سربراہان کی توجہ انفرادی تربیت اور نئی نسل کو مثبت فکر و سوچ دینے سے زیادہ طلباء کو اچھے نمبر دلوا کر سکول کا نام روشن کرنے پر مرتکز ہو جاتی ہے۔

تعلیمی بجٹ کی کمی، اسکولوں کی کمی اور اساتذہ کی کمی وہ اسباب ہیں جو بچوں کے عصری تعلیمی مسائل کو مزید گھمبیر کر رہے اگر اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو اس معاملے میں حکومتوں کے بے حسی کھل کر سامنے آتی ہے۔

اقوام متحدہ کے ثقافتی ادارے یونیسکو کی ایک رپورٹ کے مطابق:

۹۳ ممالک میں اساتذہ کی شدید کمی ہے اور پرائمری تعلیم کے ہدف کو پورا کرنے کے لیے مزید ۴۰ لاکھ ٹیچرز کی ضرورت ہے۔۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان جنوبی ایشیا میں تعلیم پر سب سے کم سرمایہ خرچ کرنے والا ملک ہے۔ پاکستان تعلیم پر جی ڈی پی کا 2.14 خرچ کرتا ہے، جو جنوبی ایشیا میں سب سے کم ہے۔ مسئلہ صرف بجٹ کا ہی نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ جو پیسہ مختص کیا جاتا ہے، اس کا ایک بڑا حصہ تنخواہوں میں چلا جاتا ہے۔ تعلیم کے شعبے میں ترقیاتی اخراجات بہت اہم ہیں لیکن اس کے لئے خاطر خواہ پیسہ نہیں ہے۔" پاکستانی حکومت کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک بھر میں دو لاکھ بیس ہزار اسکول ہونے کے باوجود اب بھی بیس ملین کے قریب بچے تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ اقوام متحدہ کے تخمینے کے مطابق پاکستان میں تعلیم کے لیے مختص موجودہ بجٹ تقریبا آٹھ بلین ڈالر ہے جو جی ڈی پی کا ۲.۶۵ فیصد اور فی طالب علم ڈیڑھ سو ڈالر بنتا ہے۔(۱)

سیرت النبی ﷺ اور بچوں کے عصری تعلیمی مسائل کا حل:

بچے کی پرورش، تعلیم و تربیت والدین، اساتذہ، معاشرے اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے اور اس پرورش پر اس کی ساری زندگی کی اچھائی اور برائی کا دارومدار ہے اس لئے اس ذمہ داری کے سلسلے میں غفلت اور لاپرواہی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بچوں کے مزاج کی تشکیل اور سیرت و کردار کا انحصار بچپن پر ہوتا ہے کیوں کہ ان واقعات کی حیثیت "النقش علی الحجر" (پتھر کی لکیر) جیسی ہوتی ہے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں چھ ماہ کا بچہ جو دیکھتا ہے وہ اس کے

(1) United Nations, 2016. "Education and Literacy in Pakistan." November 27, 2016. unesco.

ذہن پر نقش اور اس کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ ہوجاتا ہے۔ جدید تحقیقات نے اس بات کو بھی ثابت کر دیا ہے کہ دوران حمل میں کیے گئے والدین کے خصوصاً ماں کے کیے ہوئے عمل اخلاقیات ، ایمانیات کے اثرات بچوں پر رونما ہوتے ہیں اور ان کے اندر جذب ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته"(۱)

"تم میں سے ہرایک ذمہ دارہےاوراس سےاس کی ذمہ داری کی بابت پوچھاجائے گا"

یہ بنیادی اصول طے کر کے سیرت محمدی ﷺ براہ راست ہمیں اولاد کی تربیت کی ذمہ داری سونپتی ہے۔

بچے کو ذہنی طور پر کسی ایسے بہترین کردار کے ساتھ منسلک کرنا جس کی زندگی کا ہر پہلو اس بچے کو اپنی معاشرتی اور ذاتی زندگی کے ہر کام کو اعلیٰ ترین اخلاق کے معیار کے مطابق کرنے پر مائل رکھے ، اور دُنیا کے فوائد سے پہلے آخرت کے فوائد کی سوچ میں مگن رکھے۔بلا شک و تردد ایسی مثالی شخصیات میں سب سے مکمل ترین شخصیت محمد ﷺ کی ہے ، اور ان کے بعد تمام تر انبیاء اور رسول ، اور پھر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور پھر مسلمانوں میں سے تقویٰ والے نیکوکار لوگ ہیں۔

ماہرین نفسیات اور تعلیم کے نزدیک ایک بچے کی جسمانی اور نفسیاتی تعلیم وتربیت کے درج ذیل چار مراحل ہوتے ہیں جن میں بچہ اپنی شخصیت کی تشکیل و نشو نما کرتا ہے۔

پہلا مرحلہ: ولادت سے ۳سال کی عمر تک

دوسرامرحلہ: چار سال سے دس سال کی عمر تک

تیسرا مرحلہ: دس سال سے چودہ سال کی عمر تک

چوتھا مرحلہ: پندرہ سال سے اٹھارہ سال کی عمر تک

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ بچے کی اصل شخصیت بچپن میں ہی بن جاتی ہے اور بچپن جو اثرات ذہن پر چھوڑتا ہے وہ مستقل اور پائیدار ہوتے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق بچوں کی شخصیت کی مثبت یا منفی تعمیر کا اسّی فی

---

(۱) مسلم، ابوالحسین مسلم ابن الحجاج، (س۔ن)، الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ ۱۴۵۹/۳، رقم:۱۸۲۹

صد حصہ ابتدائی چھے سال کی عمر تک مکمل ہوجا تا ہے، پھر باقی زندگی انہی محاسن و معائب کا عکس ہوتا ہے۔ اس عمر میں مزاج، عادات اور ذوق و شوق کو جس راہ پر ڈال دیا جائے آیندہ بھی وہ اس اچھی یا بری راہ کا مسافر بنا رہتا ہے۔ انسانی کائنات میں سرکار دوعالم ﷺ سے بڑا کوئی نفسیات کا ماہر نہیں گزرا اسی وجہ سے آپ کی سیرت طیبہ سے بچوں کی تعلیمی تشکیل میں جابجا راہنمائی ملتی ہے۔ اور راہنمائی بچے کی پیدائش سے شروع ہوتی ہے۔ بچے کو شیطان سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ کی پناہ میں دیا جائے۔ سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُولَدُ إِلاَّ نَخَسَهُ الشَّيْطَانُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ نَخْسَةِ الشَّيْطَانِ إِلاَّ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّه.ثُمَّ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ﷺ اقْرَؤُوا إِنْ شِئْتُمْ: وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ''(۱)

''کوئی بچہ ایسا نہیں جس کو شیطان کونچا نہ مارے، کہ وہ اس کے کونچا مارنے سے روتا ہے مگر سیدہ مریم کا بچہ اور اس کی ماں (یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ مریم علیہا السلام کہ ان کو شیطان کونچا نہ دے سکا)۔'' پھر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو (مریم کی ماں اور عمران کی بیوی نے کہا) '' میں اس بچہ کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں''۔(آل عمران:۳۶)

نومولود کے کان میں اذان و اقامت دینا بھی سیرت طیبہ سے ثابت ہے کیونکہ اس سے بچے کا ایمان اور عقیدہ سلامت رہتا ہے اور ایمان کی سلامتی ہی تعلیم کا بنیادی مقصد بھی ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

''جس کے ہاں بچہ ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں میں اقامت''(۲)

بچے کا اچھا نام رکھنا اس کے بنیادی حقوق میں سے ہے سیدنا ابو وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم پیغمبروں کے نام پر نام رکھا کرو اللہ کے نزدیک زیادہ پیارا نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے''(۱)

(۱) مسلم، الصحیح، ۴/۱۸۳۸، رقم:۲۳۶۶

(۲) أبویعلی، أحمد بن علی، (۱۹۸۴ء)، المسند، دار المأمون للتراث، دمشق۔ ۱۲/۱۵۰، رقم:۶۷۸۰

جب بچے میں کلام کرنے کی طاقت آجائے تو اس کو لفظ اللہ، اللہ، سکھایا جائے اور جب بولنے لگے تو کلمہ "لاالہ الا اللہ "اس کو پڑھایا جائے ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

''إذا أفصح أولادكم فعلموهم لا إله إلا الله''(۲)

"جب تمہاری اولاد بولنے لگے تو اسے لا إله إلا الله سکھاؤ"

بچوں کے ساتھ محبت و شفقت کے ساتھ پیش آنے سے ان کی زندگی میں دوسروں کے لیے محبت و شفقت پیدا ہوتی ہے سیدنااسامہ بن زیدرضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"اللہ کے نبی ﷺ مجھے ایک ران پر بٹھالیتے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دوسری ران پر پھر ہم دونوں کو گلے لگا لیتے اور کہتے اے اللہ میں ان پر شفقت کرتا ہوں تو بھی ان پر مہربانی فرما"۔(۳)

بچوں کو لباس کے بارے میں تعلیم دینے سے ان کے اندر انسانی شخصیت میں نکھار اور پسند ناپسند کا جذبہ اور احساس پیدا ہوگا. سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تمہاری ماں نے تمہیں یہ پہننے کو کہا تھا؟ میں نے عرض کیا میں انہیں دھو کر (ان کا رنگ اتار) دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: بلکہ انہیں جلادو۔(۴)

بچوں کو تحفہ دینے سے ان میں خود داری، احترام اور اہمیت کا عنصر پیدا ہوتا ہے ۔سیدناسائب بن یزیدرضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:" ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا میرے ساتھ کچھ اور لڑکے بھی تھے ہم آپ کے

---

(۱)مسلم،الصحیح،۳/۱۶۸۲،رقم:۲۱۳۲

(۲)ہندی،علاء الدین علي بن حسام الدین،(۱۹۹۸ء)،کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال،دار لکتب،بیروت۔۱۶/۱۸۳،رقم:۴۵۳۲۸

(۳)بخاری،الصحیح،۳/۱۳۶۹،رقم:۳۵۳۷

(۴)مسلم،الصحیح،۳/۱۶۴۷،رقم:۲۰۷۷

پاس گئے تو آپ کھجوریں کھا رہے تھے آپ ﷺ نے ان میں سے ایک ایک مٹھی ہمیں بھی عطا فرمائی اور ہمارے سر پر ہاتھ پھیرا"(۱)

بچوں سے سچ بولنے کی تاکید:

سیدنا عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تھے کہ مجھے میری والدہ نے بلاتے ہوئے کہا "هَا تَعَالَ أُعطِيكَ" آؤ میں تمہیں کچھ دیتی ہوں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَمَا أردتِ أن تَعطِيه" تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا:"أُعطِيه تمرًا"میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أمَّا إنَّكِ لَو لَم تُعطِيهِ كُتِبَت عَليكِ كِذبَة"

"اگر اسے کچھ نہ دیتی تو تمہارے نامہ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا"۔ (۲)

یعنی بچوں کے ساتھ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولا جانا چاہیے اور نہ ہی ان سے کوئی جھوٹا وعدہ کیا جانا چاہیے۔

سیرت النبی ﷺ اور بچوں کے معاشرتی مسائل کا حل:

بچوں کے معاشرتی مسائل کا حل بھی سیرت پاک ﷺ سے میسر آتا ہے نبی کریم ﷺ بچوں کے ساتھ انتہائی پیار اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ آپ کا اسلوب تربیت، علم، تجربہ، کشادہ دلی، صبر اور برداشت پر مشتمل تھا۔ بچپن کے مرحلے کی اہمیت کے پیش نظر آپ ﷺ نے بچوں کے ساتھ ایسا تربیتی اور تعلیمی اسلوب اختیار کیا، جس کے نتیجے میں کامیاب شخصیات، بے نظیر قائدین، اور نابغہ روزگار افراد پیدا ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کا بچوں کے ساتھ برتاو کیسا ہوتا تھا، اور آپ کس انداز سے بچوں کو ڈیل کرتے تھے۔ یہ تفصیلات کتب احادیث میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔ ذیل میں مختصرا ان میں سے چند ایک مثالیں دی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) طبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب، (۴۱۵ھ)، المعجم الأوسط، دار الحرمین، القاہرۃ، مصر۔ ۹/ ۵۱، رقم: ۹۱۰۹

(۲) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (۱۹۹۴ء). السنن، تحقیق: شعیب الارنؤوط، دار الفکر، بیروت۔ ۴/ ۲۹۸، رقم: ۴۹۹۱

''ما نحل والد ولدا أفضل من أدب حسن''(۱)

''باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔''

آج کل والدین اپنی اولاد کے بارے میں عمومی شکوہ یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ عبادات خصوصا نماز کی طرف دھیان نہیں دیتے ہیں اس کی بنیادی وجہ تربیت کی عمر میں بچوں کو اس طرف راغب نہیں کیا جاتا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاء سَبْعِ سِنِيْنَ''(۲)

''تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بچوں کو شرم حیا اور پاک بازی کی تعلیم دینے کے بارے میں فرمایا:

''تمہارے بچے جب دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو''(۳)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اپنے کچھ کھلونے لے کر گئیں تھیں جس سے کھیلا کرتی تھیں اور آپ ان کو سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کی ترغیب بھی دلاتے تھے۔امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بچے کو کھیل سے روکنا اور اسے ہر وقت پڑھتے رہنے کو کہنا اس کے ضمیر کو مردہ کر دیتا ہے۔ بچے کو دن کے کسی حصے میں سیر اور ورزش کا عادی بنایا جائے تاکہ اس پر سستی غالب نہ آئے۔(۴)

زیادہ ڈانٹ سننا آدمی کے اپنے لیے باعث ندامت ثابت ہوتا ہے اس سے بچہ ضد کرنے لگتا ہے یہی وجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہت گریز کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابی سیدنا انس فرماتے ہیں مجھے دس سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اللہ کی قسم نہ تو کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اف کہا اور نہ یہ کہا کہ تم نے ایسے کیوں کیا یا ایسے کیوں نہیں کیا۔اسی

---

(۱)بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (س۔ن)، التاریخ الکبیر، دار الفکر، بیروت۔ ۱/ ۴۲۲، رقم:۱۳۵۶

(۲)ابو داؤد، السنن، ۱/ ۱۳۳، رقم:۴۹۵

(۳)احمد بن حنبل، (س۔ن)، المسند، مؤسسہ قرطبہ، مصر۔ ۲/ ۱۸۰، رقم:۶۶۸۹

(۴)غزالی، ابوحامد محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، دار الاشاعت، کراچی۔ ص، ۵۴۶

طرح راز کی حفاظت کے بارے میں سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھالیا اس کے بعد مجھے ایک راز کی بات بتائی جسے میں لوگوں میں سے کسی کو نہ بتاؤں گا۔اسی طرح معاشرتی امور میں جن اطوار پر بچوں کی تعلیم وتربیت کی جانی چاہیے اور ان امور کا ثبوت اور رہنمائی سیرت محمدی ﷺ سے ملتی ہے ان میں عشاء کے بعد سونے کی تربیت،کام کرنے کا ڈھنگ سکھانا،گھر میں داخلے کے آداب سکھانا،علماء کی ہم نشینی و احترام،بڑوں کا ادب سکھانا،قرآن و حدیث کو اہم رکھنا اس کی محبت دل میں بٹھانا،علم کی پیاس پیدا کرنا،چوں کو کتابت سکھانا،امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ترغیب،صبر،غرور تکبر سے بچانا،دھیمی آواز میں گفتگو کرنا،جسمانی ورزش وغیرہ شامل ہے۔ (۱)

خلاصہ بحث:

بچے کسی بھی معاشرے کی امیدوں، آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز ہوتے ہیں، اس لیے کہ مستقبل کی تعمیر کا انحصار ان ہی پر ہوتا ہے۔ اس لیے بچے دوسرے تمام طبقات کی بہ نسبت زیادہ توجہ، زیادہ شفقت اور زیادہ محبت چاہتے ہیں۔ معاشرتی حوالے سے بھی بچوں کی اہمیت مسلّم ہے۔ اسی بناپر اسلامی تعلیمات میں جہاں والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت بیان کی گئی ہے وہاں بچوں کے حقوق بھی واضح کیے گئے ہیں۔ اسلام کی معاشرتی زندگی یک رخی نہیں، ہمہ گیر ہے۔ اس لیے والدین اگر اسلامی معاشرے میں بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں تو بچے اس اکائی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں۔ یہ دونوں مل کر معاشرے کی صورت گری کرتے ہیں۔ بچے تو اور بھی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، کیوں کہ وہ نہ صرف والدین کی شخصی توسیع ہیں بلکہ معاشرے کے ارتقا اور اس کی متحرک زندگی کا عکس ہیں۔آج کی اولاد کل کے والدین ہیں، اور آج کے بچے کل کے جو ان اور بزرگ ہوتے ہیں۔ کوئی معاشرہ بچوں کے بارے میں جو رویہ اختیار کرتا ہے وہی اس کا معاشرتی معیار قرار پاتا ہے۔ اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کے بجائے بے اعتدالی روا رکھی گئی تو اس سے نہ صرف یہ کہ معاشرے کا ارتقائی مزاج مجروح ہوگا بلکہ مستقبل کے والدین بھی خطرناک حد تک اولاد کش ثابت ہوں گےاس بنا پر اسلام نے بچوں کے بارے میں جوخصوصی ہدایات دی ہیں۔ وہ نہ صرف بچوں کی فطرت کے عین مطابق ہیں بلکہ

(۱) سراج الدین ندوی،(س۔ن)،بچوں کی تربیت کیسے کریں؟،دارالابلاغ، لاہور۔ص۲۵۔۵۹

خاندان، سماج اور معاشرے کے لیے بھی انتہائی مفید ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے تاکہ فلاح اطفال کا کام صحیح طور سے انجام دیا جاسکے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم
۲. احمد بن حنبل، (س۔ن)، المسند، مؤسسۃ قرطبہ، مصر۔
۳. انصار زاہد، (۱۹۸۴ء)، پاکستان میں تعلیم و تدریس مسائل و مشکلات، کراچی، مجلہ علم و آگہی
۴. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (س۔ن)، التاریخ الکبیر، بیروت، دار الفکر
۵. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔
۶. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، (۱۴۱۲ھ)، السنن، مطبعۃ مصطفی البابی۔
۷. حسین محی الدین، (ڈاکٹر)، (۲۰۰۹ء)، بچوں کا استحصال، لاہور، منہاج القرآن پبلیکیشنز
۸. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (۱۹۹۴ء). السنن، تحقیق: شعیب الارنووط، دار الفکر، بیروت۔
۹. رازی، محمد بن ابی بکر عبد القادر، (۱۹۹۵ء)، مختار الصحاح، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۱۰. سراج الدین ندوی، (س۔ن)، بچوں کی تربیت کیسے کریں؟، دار الابلاغ، لاہور
۱۱. طبرانی، سلیمان بن أحمد بن أیوب، (۱۴۱۵ھ)، المعجم الأوسط، دار الحرمین، القاہرۃ، مصر
۱۲. غزالی، ابو حامد محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، کراچی، دار الاشاعت۔
۱۳. ابن ماجہ، محمد بن یزید بن ماجہ، (س۔ن)۔السنن، دار الفکر، بیروت
۱۴. مسلم، ابو الحسین مسلم ابن الحجاج، (س ن)۔ الصحیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت
۱۵. مقبول احمد، (س۔ن)، اساسیات علم التعلیم، علمی کتب خانہ، لاہور

١٦. ہندی، علاءالدین علي بن حسام الدین،(١٩٩٨ء)، کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، بیروت، دار لکتب
١٧. ابویعلی، أحمد بن علی،(١٩٨٤ء)، المسند، دار المأمون للتراث، دمشق
18. https://www.unodc.org/documents
19. Woodhead, Martin. 1988. “When Psychology Informs Public Policy: The Case of Early Childhood Intervention.” American Psychologist
20. Whitebread, David, Sue Bingham, L. Vygotsky, B. Martin-Korpi, B. Martin-Korpi, 2011. “Developmental Psychology and Early Childhood Education.” Nursery World
21. Zigler, Edward F. 2000. Handbook of Early Childhood Intervention. Cambridge University Press
22. https://www.unodc.org/documents
23. United Nations. 2016. “Education and Literacy in Pakistan.” November 27, 2016. unesco.
24. http://www.sasinc.org/document
25. Huda, Miftachul, Kamarul Azmi Jasmi. 2017. “Empowering Children with Adaptive Technology Skills: Careful Engagement in the Digital Information Age.” International Electronic Journal of Elementary Education
26. Juma, Audrey. 2004. “Improving Practices in Early Childhood Classrooms in Pakistan: Issues and Challenges from the Field.” Contemporary Issues in Early Childhood

غذائے نبوی ﷺ میں گوشت کا استعمال

(علم غذائیت میں اس کی ضرورت واہمیت)

☆نادیہ عالم

☆☆ڈاکٹر علی اَکبر الاَزہری

ABSTRACT

Food is among the basic needs of every living being, be it plants, animals or humans. It is one of the most important part of their lives, growth and health. In the Holy Qur'an, the Prophet (ﷺ) has been described as the best example for human beings. Today modren nutrition is testifying through research the usefulness and importance of food items that Prophet (ﷺ) had liked and consumed. One of those items is meat. From the time immemorial, man has been using the meat of various animals in his diet. The Prophet (ﷺ) ate the flesh of many animals and liked various parts of the meat of these animals. Many of the meat dishes were his favorite and he even advised to cook meat in some particular ways. If one looks at the relevant hadiths and the teachings of the Prophet (ﷺ) regarding food in the light of nutrition, one can appreciate their wisdom, usefulness and importance. This article gives an overview of these aspects of meat.

Keywords: Meat, Nuttition, Islam, Food

غذا ہر جاندار کی ضرورت ہے۔نباتات ہوں، حیوانات ہوں یا انسان غذا سب کے لیے لازمۂ حیات ہے۔نہ صرف زندگی بلکہ ہر جاندار کی نشوونما اور صحت کے لیے بھی غذا ایک بنیادی جزو ہے۔غذا سے ہی انسان کی قوت، طاقت اور صحت کا قیام ہوتا ہے۔جس سے تمام افعال عبادات ہوں یا معاملات سرانجام پاتے ہیں۔غذا اور اس کے لینے کا عمل

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، گریژن یونیورسٹی، لاہور

ایک با قاعدہ نظام ہے جس پر علمِ غذائیت (Nutrition) بحث کرتا ہے۔(۱) علم غذائیت ہمیں غذائی اجزاء کے خواص، ان کی جسم میں ضرورت، موجودگی اہمیت اور میعار کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔(۲)۔

قرآنِ کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(۳)

"بیشک تمہاری راہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے "

اس آیت کے مطابق خوراک اور اس کے استعمال کے پہلو میں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ مبارکہ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غذا کو نہایت متوازن انداز استعمال فرمایا۔ آپ ﷺ نے مختلف اشیاء کو ان کی تاثیر اور مزاج کے لحاظ سے ملا کر کھانے کی تعلیم دی ۔ آج علم غذائیت میں ضروری اجزاء کی جسم میں کمی اور زیادتی کے اثرات کو جانچا جاتا ہے اور ان کے مطابق انسانی نشوونما، صحت اور قوت کے لیے مختلف غذاؤں کو استعمال کرنے تجاویز دی جاتیں ہیں۔ لیکن غذا کی تاثیر اور ان کے مزاج، کس غذا کے استعمال کرنے اور استعمال نہ کرنے کی کیا حکمتیں ہیں اور اس غذا کے جسمانی ہی نہیں قلبی و روحانی اثرات کیا مرتب ہوں گے؟ ان تمام باتوں کے بارے میں علم غذائیت ہمیں کوئی آگاہی دینے سے قاصر ہے۔

ان باتوں کے بارے میں راہنمائی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ہی مہیا ہوتی ہیں۔ انسانی خوراک میں گوشت اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حیوانی ذرائع سے حاصل ہونے والی غذاوؤں میں لحمیات (Proteins) کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس مقالے میں علمِ غذائیت کی روشنی میں یہ جانچنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کن جانوروں کا گوشت استعمال فرمایا؟ گوشت میں آپ ﷺ کیا پسند تھا؟ آپ ﷺ نے گوشت کو کن طریقوں سے پکوا کر تناول فرمایا؟ گوشت سے بنائے گئے کون سے کھانے آپ ﷺ کے پسندیدہ تھے ؟ جدید سائنسی معلومات کے مطابق ان سب کی کیا اہمیت و فوائد ہیں۔

---

(۱) علمِ غذائیت (Nutrition) غذا اور غذائیت سے متعلق علم سائنس کی ایک باقاعدہ شاخ ہے جو میعاری صحت کے برقرار رکھنے اور بہتر نشوونما کے اصول و ضوابط متعین کرتا ہے۔ اس علم میں کسی جاندار کو غذا/خوراک کی شکل میں فراہم ہونے والی توانائی اس کی غذائیت (Nutrition) کہلاتی ہے۔ غذا کے مختلف اجزاء میں کئی ایسی خصوصیات ہیں جن سے انسان کی نشوونما اور صحت و تندرستی برقرار رہتی ہے۔ یوں تو غذائی اجزأ بہت سے ہیں۔ مگر چھ اجزأ لحمیات، نشاستہ، چکنائی، نمکیات، حیاتین اور پانی زیادہ ضروری اور بنیادی ہیں۔

(۲) ڈاکٹر پروین خان و دیگر، (۱۹۹۳ء)، صحت اور غذائیت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اشاعت سوئم۔ ص ۱۳۔

(۳) سورۃ الاحزاب ۳۳/ ۲۱

لحمیات(Proteins)اور ان کی ضرورت واہمیت:

یہ لحم یعنی گوشت سے ہے۔[1] پانی کے بعد جسم میں زیادہ مقدار لحمیات ہی کی ہوتی ہے۔ جسم کا تقریباً 33 فیصد حصہ لحمیات پر مشتمل ہوتا ہے۔[2] لحمیات ہر خلیہ کا بنیادی جزو ہونے کی بنا پر غذا کا اہم ترین جزو ہیں۔ جسم کے تمام حصوں کی تعمیر، مرمت اور نشوونما میں لحمیات کا بنیادی کردار ہوتا ہے۔ اس لیے روزمرہ استعمال ہونے والی غذا میں لحمیات کی ایک معقول مقدار شامل ہونا بہت ضروری ہے۔ خصوصاً بچپن میں جب جسم نشوونما پارہا ہوتا ہے، لحمیات کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ لحمیاتی غذاؤں کو دو بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی حیوانی لحمیات اور نباتاتی لحمیات۔ حیوانی ذرائع میں ہر قسم کا گوشت، انڈے، مچھلی، دودھ اور اس سے بنی ہوئی اشیاء شامل ہیں۔ ایک دن میں ایک آدمی کو تقریباً 90 تا 120 گرام لحمیات پر مشتمل غذا لینی چاہیے۔[3] ایک گرام لحمیات سے 4 حرارے پیدا ہوتے ہیں۔ لحمیات مختلف عناصر سے مل کر تشکیل پاتی ہیں۔ جب یہ اجزاءاس خاص انداز میں ملتے ہیں، آکسیجن 32%، نائٹروجن[4] 16%، ہائیڈروجن 7%، کاربن 54%، اور گندھک 1% فیصد تو اس سے ایک خاص چیز تیار ہوتی ہے جسے امینو ترشہ (Amino Acid) کہتے ہیں۔ یعنی لحمیات امائنو ترشوں[5] پر مشتمل ہوتی ہیں۔

---

[1]۔ان غذائی اجزا کو لحمیات کا نام اس لیے دی گیا کہ یہ جسم کا لحمی حصہ یعنی گوشت، پوست اور رگ وریشے بناتی ہیں۔ جنہیں لحمیات کے علاوہ دوسرا دوسرا کوئی غذائی جزو نہیں بنا سکتا۔ اس کے لیے انگریزی لفظ کو دیکھیں یعنی (Proteins) تو یہ یونانی لفظ "پروٹی اوز" (Proteos) سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی "اولین حیثیت والا" ہے۔ دیکھیں: سعیدہ غنی، (پروفیسر) ودیگر، غذا اور غذائیت، لاہور: آزاد بک ڈپو ۲۰۱۳ء، ص ۱۹۔

[2] خان، ڈاکٹر محمد اقبال وڈاکٹر ہارون بلال، (۲۰۱۳ء)، غذا اور غذائیت، لاہور: مکتبہ دانیال۔ پاکستان۔ ص ۳۲۔

[3] متین فاطمہ، پروفیسر ڈاکٹر، غذا اور غذائیت، ص ۱۰۔

[4] نائٹروجن (Nitrogen) زندگی، نشوونما اور خلیوں کی تعمیر و مرمت لازمی ہوتی ہے۔ یہ لحمیات کا خصوصی عنصر ہے، دوسرے قوت بخش غذائی اجزا کاربوہائیڈریٹس اور چکنائی میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لیے لحمیات کو نائٹروجن والے مرکبات (Nitrogen Compounds) بھی کہا جاتا ہے۔

[5] لحمیات میں امینو ترشے ریل گاڑی کے ڈبوں کی طرح باہم جڑے ہوتے ہیں۔ ہاضمے کے دوران ہر امینو ترشہ علیحدہ ہو جاتا ہے اور جسمانی لحمیات میں تبدیل ہو کر گوشت، پوست اور بافتیں بنانے کے کام آتا ہے۔ جسمانی لحمیات ۲۲ امائنوں ترشوں سے مل کر بنتی ہیں۔ ان میں سے آٹھ امائنو ترشے ایسے ہیں جنہیں انسانی جسم خود نہیں بنا سکتا۔ انہیں حیوانی ذرائع کی غذا کے ذریعے حاصل کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ انہیں لازمی یا ضروری امائنو ترشے (Essential Amino Acids) کہا جاتا ہے۔ باقی امائنو ترشے انسانی جسم خود ہی بنا لیتا ہے۔ سعیدہ غنی، (پروفیسر) ودیگر، غذا اور غذائیت، ص ۱۹۔

لحمیات کے اہم کام(Functions of Proteins)

لحمیات انسانی جسم میں درج ذیل اہم کام سرانجام دیتی ہیں:

ا۔ ہر خلیے کا بنیادی جزو ہونے کی بنا پر یہ ہر قسم کی بافتوں میں اضافہ کر کے ان کی نشوونما کرتی ہیں۔

۲۔ خلیوں کی تعمیر، مرمت اور بحالی کا کام کرتی ہیں۔

۳۔ جسم میں ضد اجسام(Anti Bodies) بنا کر بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرتی ہیں۔

۴۔ جسم میں خون کی کمی ہونے سے محفوظ رکھتی ہیں۔

۵۔ جسم میں پانی اور معدنیات کے توازن کو برقرار رکھتی ہیں۔

٦. جسم میں نشاستہ دار غذا اور چکنائی کی کمی کی صورت میں توانائی اور حرارت بھی مہیا کرتی ہیں۔

۷۔ جسم میں خامروں اور انگیزات(Hormones and Enzymes) کی پیدائش کا موجب ہیں جو جسمانی نظاموں کو فعال، برقرار اور باقاعدہ رکھنے کے لیے لازمی ہوتے ہیں۔

لحمیات کی کمی کے اثرات(Effects of Protein deficiency)

لحمیات کی کمی سے جسمانی افعال میں معمولی بے قاعدگیوں سے لے کر جان لیوا اور مہلک بیماریوں کے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ فوری اور شدید متاثرہ افراد میں کم عمر اور بڑھنے والے بچے، حاملہ خواتین اور دودھ پلانے والی مائیں شامل ہیں۔ بچوں کی نشوونما میں کمی آجاتی ہے۔ جسم کی بناوٹ میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔خون میں خامروں (Enzymes) اور انگیزات (Harmones) کا نظام متاثر ہوتا ہے اور خون میں ان کی کمی ہو جاتی ہے، بافتوں میں پانی جمع ہونے لگتا ہے، مدافعتی نظام کمزور اور اَمراض جلدی قابو پانے لگتے ہیں، مائعات کا تناسب بگڑ جاتا ہے، وہ خلیوں میں جمع ہونے لگتے ہیں اور پانی والی سوجن اڈیما(Oedema) ہونے لگتی ہے، قد مناسب طور پر بڑھ نہیں پاتا، جلد پر زخم پڑ جاتے ہیں، بھوک کم، ہاضمہ خراب، چڑچڑاپن، رنگت زرد ہو جاتی ہے جو خون کی کمی(Anemia) کو ظاہر کرتی ہے۔ایسے بچوں کے دانت بوسیدہ اور عضلات (Muscles) کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس حالت کو کواشیوکور (Kwashiorkor) کی بیماری کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لحمیات کی کمی سے مراسمس(Marasmus) [1] کا مرض بھی ہو سکتا ہے۔

---

[1] سوکھے کا مرض، اس میں کافی غذا لینے کے باوجود جسم سوکھتا جاتا ہے۔ اکثر اسہال ہوا رہتا ہے۔ کبھی لمبے عرصے تک یا بار بار کھانسی اور بخار ہوتا ہے۔ دراصل یہ آنتوں کی ٹی بی ہے جو اکثر اوقات پھیپھڑوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ نے اپنی غذا میں لحمیات کے دونوں حیوانی و نباتاتی ذرائع کو استعمال فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے مختلف جانوروں کے گوشت، دودھ، اس سے بنی ہوئی مختلف اشیاء اور اناج و دالوں وغیرہ کو استعمال فرمایا ہے۔ اس مقالے میں آپ ﷺ کی استعمال شدہ اغذیہ میں سے مختلف جانوروں اور پرندوں وغیرہ کے گوشت کے بارے میں غذائی سائنس (Nutrition) کے حوالے سے کچھ آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک گوشت کی اہمیت:

رسول اللہ ﷺ نے گوشت کو دنیا اور آخرت میں تمام کھانوں کا سردار قرار دیا ہے۔ حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سَيِّدُ طَعَامِ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَأَهْلِ الْجَنَّةِ اللَّحْمُ''(۱)

''یعنی دنیا و جنت میں کھانوں کا سردار گوشت ہے''

آپ ﷺ کو گوشت پسند تھا۔ اس سلسلے میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے والد کے لیے ہوئے قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور ان کے لیے بکری کا گوشت سامنے رکھا اسے دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''يَا جَابِرُ كَأَنَّكُمْ عَرَفْتُمْ حُبَّنَا اللَّحْمَ''(۲)

''اے جابر! لگتا ہے کہ تمھیں علم ہو گیا ہے کہ ہمیں گوشت پسند ہے''

گوشت ایک مکمل غذا ہے۔ لمبے عرصے تک گوشت کو ترک کرنے سے جسم میں لحمیات کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ انسانی جسم میں لحمیات کی خصوصاً گوشت کی ضرورت و اہمیت کے بارے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ مدراج النبوت میں حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں: ''گوشت کھانا خون صاف کرتا اور خصلت کو اچھی بناتا ہے۔ جو شخص چالیس دن تک گوشت نہ کھائے اس کی خصلت خراب ہو جاتی ہے''(۳) علم غذائیت میں جدید تحقیق کے مطابق بھی جب لمبے عرصے تک مسلسل حیوانی ذرائع کے ذریعے (جن میں گوشت اہم ہے) غذا حاصل نہ کی جائے۔ بلکہ صرف نباتاتی ذرائع سے لحمیات حاصل کی جائیں تو سبزیوں میں موجود کم غذائی عناصر سے مطلوبہ اجزا حاصل کرنے کی کوشش میں

---

(۱) ابن ماجہ، السنن، ص۱۰۹۹، رقم الحدیث:۳۳۰۵۔

(۲) احمد بن حنبل، (۱۴۲۱ھ)، المسند، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ ۲۲/۱۴۸، رقم الحدیث:۱۴۲۴۵۔

(۳) دہلوی، عبد الحق محدث، مدارج النبوت، ۲/۲۲۳۔

آنتوں کا حجم زیادہ ہو جاتا ہے اور پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ یوں گوشت کی اہمیت نہ صرف احادیث مبارکہ بلکہ جدید علمِ غذائیت کی روشنی میں بھی واضح ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے کس شکل میں گوشت تناول فرمایا:

رسول اللہ ﷺ نے مختلف حلال جانوروں کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ جنہیں مختلف طریقوں سے پکایا جاتا تھا مثلاً بھون کر، خشک کیے ہوئے گوشت (قدید) کا سالن اور تازہ گوشت کا شوربہ حضرت عبد اللہ بن الحارثؓ بیان کرتے ہیں:

''أكلنا مع رسول الله ﷺ طعاما في المسجد لحما قد شوي''(۱)

''ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا گوشت کھایا''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''إن خياطا دعا رسول الله ﷺ لطعام صنعه.....فقرب إلى رسول الله ﷺ خبزا من شعير ومرقا فيه دباء وقديد''(۲)

''ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی۔۔۔اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو کی روٹی اور شوربہ رکھا جس میں کدو اور خشک شدہ گوشت تھا''

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''أكلنا مع رسول الله ﷺ القديد بالمدينة من قديد الأضحى''(۳)

''ہم نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قربانی کا خشک گوشت کھایا''

تازہ گوشت کے شوربے کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے:

''إذا اشترى أحدكم لحما فليكثر مرقته''(۱)

---

(۱) ابن ماجہ، السنن، ص ۱۱۰۰، رقم الحدیث: ۳۳۱۱۔

(۲) مسلم، مسلم بن حجاج، الصحیح، ص ۹۸۱، رقم الحدیث: ۲۰۴۱۔

(۳) احمد بن حنبل، المسند، ۲۲ / ۳۸۸، رقم الحدیث: ۱۴۵۰۹۔

"جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے تو شوربہ زیادہ رکھے"

گوشت میں رسول اللہ ﷺ کے پسندیدہ حصے اور ان کی افادیت

گوشت بلا شبہ ایک مقوی اور مفید غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر گوشت کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ نے متعدد مقامات پر روزانہ اور زیادہ گوشت کھانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ علم غذائیت کے مطابق بھی گوشت صحت کے لیے بہت ضروری ہے مگر اس کی (خصوصاً سرخ گوشت کی) زیادتی سے بھی کئی مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً موٹاپا، کولیسٹرول، امراض قلب، یورک ایسڈ، آنتوں کے امراض (مثلاً کینسر) اور ذیابیطس جیسے امراض۔ رسول اللہ ﷺ نے جانور کے کئی خاص حصوں مثلاً دستی اور پشت کے گوشت کو پسند فرمایا اور ان کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

مغز: ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کو بکری کا مغز بھی پسند تھا اور اسے تناول فرماتے تھے۔ مغز میں اعصابی نظام کو تقویت دینے والے اجزا موجود ہوتے ہیں۔ اس میں موجود تکسید روک عوامل (Antioxidants)[۲] انسانی دماغ اور حرام مغز کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ تقریباً تین اونس / ۸۵ گرام پکے ہوئے مغز میں ۲۳۲ حرارے پائے جاتے ہیں۔ چکنائی ۱۸ گرام اور لحمیات ۱۴ گرام ملتی ہیں۔ سوڈیم ۱۳۳ ملی گرام اور فولاد تقریباً روز مرہ ضرورت کا دس فیصد ملتا ہے۔[۳]

دستی / شانہ:

دستی کے گوشت کے پسندیدگی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"أتی رسول الله ﷺ ذات یوم بلحم فرفع إلیه الذراع وکانت تعجبه"[۴]

"نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بار گوشت لایا گیا اس میں سے شانہ آپ ﷺ کو پیش کیا گیا اور آپ ﷺ کو شانہ بہت مرغوب تھا"

---

[۱] ترمذی، محمد بن عیسی، السنن، ص ۴۳۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۲۔

[۲] نامیاتی اجزا جو عمل تکسید کو روکنے والی اور آہستہ کرنے والی ہوتی ہیں۔

[۳] myfitnesspa.com,29/06/2020

[۴] ابن ماجہ، السنن، ص ۱۰۹۹، رقم الحدیث: ۳۳۰۷۔

دستی اور شانہ وہ مقامات ہیں جہاں ریشے موٹے نہیں ہوتے اور گوشت جلد گلنے والا اور ملائم ہوتا ہے۔[۱]
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''مَا كَانَ الذِّرَاعُ بِأَحَبِّ اللَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَكِنَّهُ كَانَ لا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلا غِبًّا وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا لأَنَّهَا أَعْجَلُهَا نُضْجًا''[۲]

''رسول اللہ ﷺ کو بازو کا گوشت سب سے زیادہ پسند تھا لیکن آپ ﷺ کو گوشت کم ہی ملتا تھا (جب ملتا) تو آپ ﷺ اسے فوراً ان کی طرف بھیج دیتے کیونکہ وہ اسے جلدی سے (خوش ذائقہ) پکا دیتی تھیں''

پشت کا گوشت: آپ ﷺ نے پشت کے گوشت کو بھی پسند فرمایا اور اسے فوقیت دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَطْيَبُ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ[۳] سب سے بہتر گوشت پشت کا ہوتا ہے۔ بعض علماً نے کہا کہ یہ پسندیدگی اس لیے تھی کہ وہ مواضع نجاست سے بہت دور ہے۔[۴] پشت کے گوشت کی فضلیت کی ایک اہم وجہ ہڈیوں کا گودا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ گوشت بنانے یا کاٹنے کے دوران جب ریڑھ کی ہڈی کے مہرے کٹتے ہیں تو اندر جالی دار ہڈی جس میں اسفنج کی مانند چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں ظاہر ہو جاتی ہے۔ ہڈیوں کے ایسے مقام پر خون کے سرخ خلیے تیار ہوتے ہیں اور ان کی تیاری والے اجزا مثلاً فولاد وغیرہ یہاں جمع رہتے ہیں۔ جب یہ گوشت پکایا جاتا ہے تو ابلنے کی وجہ سے ایسے بہت سے کار آمد اجزا شوربے میں آجاتے ہیں۔[۵] یوں پشت کا گوشت لحمیات کی فراہمی کے ساتھ خون کی کمی کا بہترین تدارک بھی کرتا ہے۔

نلی: آپ ﷺ کو کھانے میں بکری کی نلی بھی پسند تھی۔ عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں: كان أحبَّ العُراقِ إلى رسولِ الله ﷺ عُرَاقُ الشاة[۶] ''رسول اللہ کو عراق (نلی، یعنی ایسی گودے دار ہڈی جس کے ساتھ کچھ گوشت لگا ہو) میں سب سے زیادہ بکری کی عراق پسند تھی'' اس بارے میں ماہرین کا کہنا ہے کہ ہڈی کے قریب والے

---

[۱] خالد غزنوی (ڈاکٹر)، (۲۰۰۱ء)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب۔ ۲/۳۴۶۔

[۲] بغوی، حسین بن مسعود، (۱۴۱۶ھ)، الانوار فی شمائل النبی المختار، دارالمکتبہ، دمشق۔ ۱/۶۱۷، رقم الحدیث: ۹۴۷۔

[۳] النسائی، احمد بن شعیب، (۱۴۲۱ھ)، السنن الکبریٰ، موسسہ الرسالہ، بیروت۔ ۶/۲۲۸، رقم الحدیث: ۶۶۲۳۔

[۴] دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوت، ۲/۲۲۳۔

[۵] ایضاً۔

[۶] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، ص ۶۸۰، رقم الحدیث: ۳۷۸۰۔

گوشت میں زیادہ رطوبت ہوتی ہے اور وہ زیادہ لذیذ اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ مگر دوسرے گوشت کی نسبت یہ کچھ دیر ہضم ہوتا ہے۔ ان روایات کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہترین گوشت جانور کے اگلے حصے کا ہوتا ہے۔ جیسے جیسے پیچھے جائیں گوشت کی افادیت کم ہوتی جاتی ہے۔ جیسے دستی سب سے عمدہ گوشت ہے (یہ جلد پک بھی جاتا ہے) پھر گردن اور پھر گلہ اور آخر میں پچھلی ٹانگیں۔ گردن کا گوشت ذائقہ کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور زود ہضم ہوتا ہے۔ پھر جس گوشت میں شامل ہڈی ہو، غذائیت کے لحاظ سے وہ زیادہ اچھا ہوتا ہے۔(۱)

شوربہ / یخنی: شوربہ بڑھانے کے بارے میں حضرت ابو ذر غفاریؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِذَا عَمِلْتَ مَرَقَة، فَأَكْثِرْ مَاءَها(۲) یعنی جب تم سالن بناؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈال لیا کرو۔ اس سے حضور نبی کریم ﷺ کی علم غذائیت میں مہارت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ حضرت علقمہ بن عبد اللہ المزنیؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إذا اشترى أحدكم لحما فليكثر مرقته فإن لم يجد لحما أصاب مرقه وهو أحد اللحمين''(۳)

''جب تم میں سے کوئی گوشت خریدے تو شوربہ زیادہ رکھے اگر اسے گوشت نہیں ملے گا تو شوربہ تو مل جائے گا اور وہ ایک قسم کا گوشت ہی ہے''

یعنی نبی کریم ﷺ نے پتلے شوربے والے سالن یا گوشت کی یخنی کو گوشت کی مانند ہی قرار دیا۔ یخنی اپنے اچھے اثرات کے بارے میں مشہور ہے۔

فوری توانائی بخش ہونے کی وجہ سے بیماری میں مریض کو ہڈیوں کی یخنی پلانے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ جنوبی امریکہ میں تو یہ بات تک مشہور ہے کہ اگر کوئی مر بھی رہا ہو تو اسے یخنی دی جائے تو اسے زندگی مل جائے گی۔ یخنی میں بکرے کی گودے دار ہڈیوں کو بہترین مانا جاتا ہے۔ انہیں جتنا اُبالا جائے اتنے اچھے اثرات یخنی میں آجاتے ہیں۔ مختلف تحقیقات سے یخنی کے بڑے فائدے سامنے آئے ہیں۔ مثلاً گودے دار ہڈیوں سے بنی یخنی سے معدے کو سکون ملتا ہے، قبض، سینے کی جلن اور ہیضے سے نجات ملتی ہے۔ غذائی ماہرین کے مطابق یخنی کا ایک کپ روزانہ انسان کو چاک و

---

(۱) خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/۳۴۸۔

(۲) ابن ماجہ، السنن، ص۱۱۱۶، رقم الحدیث: ۳۳۶۲۔

(۳) الترمذی، السنن، ص۴۳۲، رقم الحدیث: ۱۸۳۲۔

چوبند اور توانا رکھتا ہے، جوڑوں کی مضبوطی اور انکی میں تکلیف مبتلا لوگوں کو ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ کیونکہ انسانی جوڑوں کے لیے گلوکوزامائین (Glucosamine) اور کونڈوٹرین سلفیٹ کا ہونا بہت ضروری ہے جو یخنی میں وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔[۱] یخنی بڑھاپا روکنے کے لیے بھی اہم ہے کیونکہ اس میں کولی جن (Collajin) پایا جاتا ہے۔ جس جس کی چپچپاہٹ جلد کے لیے بہت مفید اور ضروری ہے۔ یہ جلد (Skin) ڈھلکنے سے روکتا ہے۔ اچھی نیند آتی ہے۔ معدنیات کی وافر مقدار اور گودے میں موجود چکنائی کی وجہ سے مدافعتی نظام کو تقویت حاصل ہوتی ہے، جس سے بیماریاں جلد حملہ آور نہیں ہو سکتیں۔[۲]

کلیجی: گوشت کے علاوہ خون اور کلیجی میں کئی عناصر اور حیاتین وافر طور پر پائے جاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے علم و حکمت سے مسلمانوں پر دو خون حلال قرار دیے، یعنی تلی اور کلیجی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أُحِلَّتْ لَكُمْ مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ.... وأمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ''[۳]

"تمھارے لیے دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں مردار تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور خون کلیجی اور تلی"

جزیے سے معلوم ہوا ہے کہ فولاد کی سب سے زیادہ مقدار تلی اور اس کے بعد کلیجی میں پائی جاتی ہے۔[۴] نبی کریم ﷺ سے دو جانوروں بکری اور اونٹ کی دل اور کلیجی یا صرف کلیجی وغیرہ کھانے کی روایات ملتی ہیں۔ بیہقی کی روایت کہ: ''كَانَ إِذَا رَجَعَ أَكَلَ مِنْ كَبِدِ أُضْحِيَّتِهِ''[۵] "جب آپ ﷺ عید کی نماز ادا کر کے واپس تشریف لاتے تو (پہلے) قربانی کی کلیجی سے کھاتے تھے"

بکری کی کلیجی: آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں:

''أَشْهَدُ لَكُنْتُ أَشْوِي لِرَسُولِ اللهِ ﷺ بَطْنَ الشَّاةِ فَيَأْكُلُ مِنْهُ''[۶]

---

[۱] doctor.ndtv,com/living-healthy/bone-broth-7health-benefits/1/7/20.

[۲] ہڈی کا سوپ اور اس کے فوائد/dailypakistan.com.pk/Nov-03-2015

[۳] ابن ماجہ، السنن، ص ۱۱۰۲، رقم الحدیث ۳۳۱۴۔

[۴] خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۳۷۴۔

[۵] بیہقی، احمد بن حسین ابو بکر (م ۴۵۸ھ)، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ۳/ ۴۰۱۔

[۶] مسلم، مسلم بن حجاج، الصحیح، ص ۱۶۹، رقم الحدیث: ۹۴

"میں اس بات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بکری کا پیٹ (یعنی پیٹ کے اندر کی چیزیں مثلاً دل و کلیجی وغیرہ) بھونا کرتا تھا، آپ ﷺ اس میں سے کھاتے تھے"

سو گرام پکی ہوئی بکری کی میں کلیجی میں ۲۷ گرام لحمیات، ۱۷۵ حرارے، روزانہ کی تجویز کردہ غذائی مقدار کے مطابق معدنیات میں سے ۷۴ فیصد سیلینئم، ۳۵ فیصد زنک، اور ۳۴ فیصد فولاد حاصل ہوتا ہے۔ حیاتین میں سے حیاتین الف ۵۲۲ فیصد، حیاتین ب۶ (پیریڈوکسن) ۵۱ فیصد اور حیاتین ب۱۲ (کوبال من) ۱۳۸۶ فیصد ملتے ہیں۔ گو کلیجی میں کولیسٹرول کی مقدار کافی ہوتی ہے۔ مگر یہ کولیسٹرول انسانی جسم کے لیے مفید ہوتا ہے۔ ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ اس کا کھانا نقصان دہ نہیں ہوتا۔[(۱)] اکثر کلیجی کھانے میں بھاری پن کی شکایت کی جاتی ہے۔ اس کے لیے ماہرین کا مشورہ ہے کہ کہ رات کے وقت اسے استعمال نہ کیا جائے اور دن کو اگر کلیجی کھانے کے ساتھ لیموں کا استعمال کیا جائے تو یہ جلد ہضم ہو جاتی ہے۔

اونٹ کی کلیجی: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''وَإِذَا بِلَالٌ نَحَرَ نَاقَةً مِنَ الْإِبِلِ الَّذِي اسْتَنْقَذْتُ مِنَ الْقَوْمِ، وَإِذَا هُوَ يَشْوِي لِرَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ كَبِدِهَا وَسَنَامِهَا''[(۲)]

"اور (حضرت) بلالؓ نے ان اونٹوں میں سے جو میں نے لٹیروں سے چھڑوائے تھے ایک اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی کلیجی اور کوہان کو رسول اللہ ﷺ کے لیے بھونا"

اونٹ کی کلیجی میں بہت سے طبی و غذائی فوائد ملتے ہیں۔ اس میں کاپر، آئرن، میگنیز، زنک، کوبالٹ، آرسینک، کروم، جیسے اہم معدنی نمکیات ملتے ہیں۔ اونٹ چونکہ شدید ماحول میں بھی زندہ رہتے ہیں۔ یہ ہر قسم کی جھاڑیوں اور درختوں سے خوراک لیتے ہیں، جن کے اثرات ان کے گوشت سے زیادہ ان کے جگر میں جمع ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا جگر ہر عمر میں، ہر قسم کی بیماری سے بچاؤ کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ عرصہ قبل تک حاجی حضرات حج کے بعد اپنے اہل و عیال اور اعزا کے لیے تحفتاً اونٹ کی کلیجی بھی لے کر جاتے تھے۔[(۳)]

---

(1) javedch.com.health2018/03/16

(۲) مسلم، الصحیح، ص ۸۷۵، رقم الحدیث: ۱۳۲

(3) Ibrahim Abdullah, Profile of Some Trace Elements in the Liver of Camels, Sheep, and Goats in the Sudan, Khartoum: Institute of Veterinary Research, 2013.

تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ اونٹ کی کلیجی خاص طور پر پھیپھڑوں کی عمومی صحت کو بحال رکھنے اور دمہ (۱) اور کھانسی (۲) کو دور کرنے میں بہت اہم ہے۔ اونٹ کی کلیجی میں تھکن دور کرنے کے لیے خاص اجزاء وافر موجود ہوتے ہیں اور یہ انسانی جسم میں توانائی جمع کرنے کی صلاحیت سے بھرپور ہے۔ یہ بیماریوں سے بچاؤ کا اہم ذریعہ ہی نہیں بلکہ اہم غذائی اجزاء بھی فراہم کرتا ہے جس کی انسانی جسم کو ہر عمر ضرورت ہوتی ہے۔ (۳) اس کے لیے بغیر کسی مصالحہ کے ہلکے تیل یا گھی میں بھون کر کھانا بہترین نتائج دیتا ہے۔ غرض اونٹ کی کلیجی اہم غذا کے ساتھ ایک موئثر دوا بھی ہے جس کے کوئی منفی اثرات نہیں ہوتے۔

پائے: نبی کریم ﷺ نے پائے بھی تناول فرمائے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''لقد كنا نرفع الكراع فيأكله رسول الله ﷺ بعد خمس عشرة من الأضاحي''(۴)

''ہم قربانی کے پائے اٹھا کر رکھ دیتے، حضور ﷺ انہیں پندرہ دن بعد تناول فرماتے تھے''

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی اس اہم خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پائے پسند تھے اور وہ دو ہفتے بعد تک انہیں شوق سے تناول فرماتے تھے۔ ماہرین کے مطابق جانوروں کے پیروں میں بھی خون بنانے کے کارخانے ہوتے ہیں۔ پائے کھانا یا ان کا شوربہ پینا خون کی کمی کا ایک بہترین علاج ہے۔ (۵) ایک پیالی بکرے کے پائے میں ۱۹۳ حرارے ملتے ہیں، کولیسٹرول کی مقدار ۴۸ ملی گرام، چکنائی ۹ گرام اور لحمیات ۱۹ گرام پائی جاتی ہیں۔ (۶)

---

(۱) اونٹ کی کلیجی دمہ کے مرض میں فوری اور دیرپا آرام میں آزمودہ ہے۔ دمہ میں کلیجی کو تازہ حالت میں پکا کر یا خشک حالت میں دو طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس میں کلیجی کو ہلکا بھون کر یا تھوڑی مقدار میں چکنائی کے ساتھ فرائی کر کے اسے سکھا لیا جاتا ہے۔ پھر اس کا سفوف بنا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ یوں اونٹ کا جگر زیادہ دیر تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ دمہ کے مرض میں اس کے سفوف کا ایک بڑا چمچ صبح شام کھانا تجویز کیا جاتا ہے۔

(۲) شدید کھانسی میں اونٹ کی بھنی کلیجی گرم پانی سے آمیزہ بنا کر دن میں تین بار لینے سے افاقہ ہوتا ہے اور گلے کو فوری آرام ملتا ہے۔

(3) drhealthbenefits.com/food-bevarages/meats/health-benefits-of-camel-liver

(۴) ابن ماجہ، السنن، ص ۱۱۰۱، رقم الحدیث ۳۳۱۳۔

(۵) خالد غزنوی، (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/۳۴۱-۳۴۲۔

(6) myfitnwsspal.com/food/calories/goat-paya/1-7-2020

بکرے کا گوشت:

رسول اللہ ﷺ نے بکرے کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس بکریاں تھیں جن کی تعداد سو(۱۰۰)تک رکھی جاتی۔ جب کسی بکری کا بچہ پیدا ہوتا تو ایک بکری ذبح کر لی جاتی۔ امام احمد اپنی مسند میں روایت نقل کرتے ہیں، جس میں آپ ﷺ نے خود فرمایا:

''لنا غنم مائة لا نريد أن تزيد عليها فإذا ولد الراعي بهمة أمرناه بذبح شاة''(۱)

''ہمارے پاس ایک سو بکریاں ہیں ہم(ان کی تعداد)اس سے زیادہ نہیں چاہتے، جب بھی کوئی بکری بچہ جنتی ہے تو ہم چرواہے کو ایک بکری ذبح کرنے کا کہہ دیتے ہیں''

بکرے کا گوشت مزاج کے لحاظ سے گرم تر اور زود ہضم ہوتا ہے۔(۲) جسمانی کمزوری میں اس کی یخنی مفید ہوتی ہے۔ فاضل اطباؒ کا قول ہے کہ بکرے کا ہر عضو جسم انسانی کے لیے انتہائی نافع ہے۔ بکرے کے جس عضو کو کھایا جائے انسان کے اسی عضو کو طاقت حاصل ہوتی ہے۔(۳) یعنی جو انسانی عضو یا حصہ کمزور یا بیمار ہو بکرے کا وہی عضو کھایا جائے تو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ چربی کے بغیر بکرے کے گوشت میں اتنا کولیسٹرول نہیں ہوتا کہ اس کی فکر کی جائے۔ دوسرے سرخ گوشت (Red Meat) کی نسبت اس میں چکنائی کی مقدار کم اور فولاد کافی پایا جاتا ہے اور یہ جلد گلنے اور ہضم ہونے والا ہے۔ سبزی کے ساتھ پکا ہوا گوشت غذائیت اور افادیت کے لحاظ سے بہترین ہوتا ہے۔

ماہرین کے مطابق غذائیت کے لحاظ سے ۱۰۰ گرام بکرے کے بھنے ہوئے گوشت میں ۵۷ ملی گرام کولیسٹرول، ۱۴۳ حرارے، ۲۷ گرام لحمیات، موجود ہوتی ہیں۔ جبکہ یومیہ تجویز کردہ مقدار کے مطابق معدنیات اور حیاتین میں سے فولاد ۲۰ فیصد، کیلشیم ایک فیصد، سوڈیم ۸۶ ملی گرام(۳ فیصد)، پوٹاشیم ۴۰۵ ملی گرام (۱۱ فیصد) اور ب ۱۲ تقریباً ۲۰ فیصد پائی جاتی ہیں۔ چکنائی کی مقدار صرف ۴ فیصد ہوتی ہے۔(۴) بکرے کا گوشت لحمیات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔

---

(۱) احمد بن حنبل، المسند، ۲۶/۳۰۹، رقم: ۱۶۳۸۴۔

(۲) اعوان، مظفر حسین(حکیم)، (۱۹۸۴ء)، کتاب المفردات، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ ص ۴۲۳۔

(۳) شاہین، محمد اسلم (حکیم)، (۲۰۰۸ء)، علاج بالغذا، فیصل آباد: مکتبہ نوریہ رضویہ۔ ص ۱۱۴۔

(4) See for details: N.H.CASEY, GOAT MEAT IN HUMAN NUTRATION. NEW DELHI: INDIAN CONCIL OF AGRICULTURAL RESEARCH, 1992.

اس میں شامل کم مگر انسانی جسم کے لیے فائدہ مند کولیسٹرول دل کی صحت کے لیے بہتر تسلیم گیا ہے اور یہ کینسر سے بچاؤ اور خون کی کمی روک تھام میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

گائے کا گوشت:

رسول اللہ ﷺ نے گائے کا گوشت بھی کھایا ہے۔ مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر تشریف لائے اور کھانے کے بارے میں دریافت کیا، بتایا گیا کہ صرف گائے کا وہ گوشت ہی موجود ہے جو آپ ﷺ کی خادمہ کو بطور صدقہ ملا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

''وَأُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِلَحْمِ بَقَرٍ فَقِيلَ: هَذَا مَا تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ، فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ''(۱)

''حضور ﷺ کی خدمت میں گائے کا گوشت لایا گیا تو کہا گیا کہ یہ گوشت (حضرت) بریرہؓ کو صدقہ دیا گیا ہے، فرمایا: یہ ان کے لیے صدقہ اور ہمارے لیے ہدیہ ہے، پھر اسے تناول فرمایا اور اپنے اہل خانہ کو بھی کھانے کا ارشاد فرمایا''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ:

''فَلَمَّا قَدِمَ صِرَارًا أَمَرَ بِبَقَرَةٍ، فَذُبِحَتْ فَأَكَلُوا مِنْهَا''(۲)

''مقام صرار پر پہنچنے پر آپ ﷺ نے گائے ذبح کرنے کا حکم فرمایا وہ ذبح کی گئی اور سب لوگوں نے اس میں سے کھایا''

ملیکہ بنت عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أَلْبَانُهَا شِفَاءٌ، وَسَمْنُهَا دَوَاءٌ، وَلُحُومُهَا دَاءٌ''(۳)

''گائے کے دودھ میں شفا اس کا مکھن دوا اور اس کا گوشت بیماری ہے''

---

(۱) مسلم، مسلم بن حجاج، الصحیح، ص ۴۷۹، رقم الحدیث: ۱۷۱

(۲) مسلم، الصحیح، ص ۷۵۲، رقم الحدیث: ۱۱۵(۱۵۹۹)۔

(۳) طبرانی، سلیمان بن احمد، (۴۰۴اھ)، المعجم الکبیر، ۲۵/ ۴۲، رقم الحدیث ۹۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے گائے کے گوشت کو باعث بیماری قرار دیا ہے، ڈاکٹر خالد غزنوی کہتے ہیں کہ سور کے گوشت کے بعد جانوروں میں سے گائے کے گوشت میں ہی خطرناک طفیلی کیڑے پائے جاتے ہیں۔ (۱)اس لیے اس کا کم استعمال ہی بہتر ہے۔

گائے کے سو گرام گوشت سے ۲۵۰ حرارے حاصل ہوتے ہیں۔کولیسٹرول ۹۰ ملی گرام، ۲۶.۱ گرام لحمیات، ۱۵ گرام چکنائی پائی جاتی ہے۔ معدنیات میں سوڈیم ۵۱.۸ ملی گرام، کیلشیم ۱۱.۱ ملی گرام، پوٹاشیم ۲۵۵ ملی گرام، آئرن ۲.۵ ملی گرام اور میگنیشیم ۱۷. ۹ ملی گرام، فارسفورس ۱۶۴ ملی گرام، زنک ۵.۷ ملی گرام، کاپر ۰.۱ ملی گرام، سیلینئم ۱۸.۴ مائکروگرام اور فلورائیڈ ۱۹.۰ مائکروگرام پائے جاتے ہیں۔ تجویز کردہ یومیہ مقدار کے مطابق حیاتین میں سے ب۲(رائبیو فلیون) ۹ فیصد، ب۳(نیاسین) ۲۲ فیصد، ب۵ (پینٹو تھینک ایسڈ) ۵ فیصد، ب۶ (پیریڈوکسن) ۱۵ فیصد، حیاتین ب ۱۲(کوبال من) ۳۵ فیصد، حیاتین ۵ فیصد، حیاتین ک ایک فیصد، کولین ۳۷ ملی گرام اور بیٹائین ۶.۱ ملی گرام پائے جاتے ہیں۔)(۲)(اپنے مزاج یعنی گرم خشک ہونے کی بنا پر اطباً بھی اسے کم سے کم استعمال کا مشورہ دیتے ہیں، یہ گوشت دیر ہضم ہے، گھٹیا اور عرق النسأ میں نقصان دہ ہے،(۳) یورک ایسڈ میں زیادتی، مسوڑھوں اور ہونٹوں کی سوجن کا باعث بنتا ہے، فاسد خون بناتا ہے، کولیسٹرول کی زیادتی کی بنا پر زیادہ کھانے سے کئی مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔(۴) ہاں اگر طبیعت سرد تر ہو تو پھر اس کا استعمال صحت کے لیے فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ قانون مفرد اعضاء کے مطابق گائے کے دو سالہ بچے کا گوشت بطور دوا بہتر ہوتا ہے۔ اگر جسم میں خشکی کے اثرات بڑھانے ہوں تو گائے کے گوشت بھون کر کھانا چاہئے۔(۵)

اونٹ کا گوشت:

اونٹ اللہ تعالٰی کی عجیب اور بہت ہی مفید مخلوق ہے۔ اس میں اللہ تعالٰی نے بے حد خاصیتیں رکھیں ہیں۔ خصوصاً صحرائی لوگوں کا اس پر بہت انحصار ہوتا ہے۔ یہ بھاری بھر کم مگر فرماں بردار اور صابر جانور ہے۔ کنیت ابو ایوب

---

(۱) خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۳۴۷۔

(2) healthlaine.com/nutrition/foods/beef/6-3-20

(۳) مفید غذائیں دوائیں، کراچی: ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ۲۰۱۱ء، ص۱۸۷۔

(۴) خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۳۵۳۔

(۵) دنیاپوری، محمد یٰسین (حکیم)، خواص المفردات، حصہ اول (عضلاتی)، دنیاپور: یٰسین طبی کتب خانہ، ۲۰۰۱ء، ص۲۳۸۔

ہے۔(۱) قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ﴾(۲) "تو کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا" آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام کو اونٹ کا گوشت مرغوب تھا۔ اونٹ کا گوشت قدرے نیلاہٹ مائل سرخ اور سخت ہوتا ہے۔ ذائقے میں نمکین ہوتا ہے۔ اس کی تاثیر گرم اور خشک ہے۔ ثقیل اور دیر ہضم ہے۔(۳) دوسرے سرخ گوشت سے زیادہ غذائیت والا ہوتا ہے۔ نمونیا، تیزابیت اور جلن سے بچاتا ہے۔ دل کی نالیوں کی حفاظت کرتا ہے۔ پرانے بخار، کالا یرقان، ہیپاٹائٹس، کندھوں کے درد میں مفید ہے۔ پیشاب کی جلن کو دور کرتا ہے۔

حیاتین اور معدنیات مثلاً پوٹاشیم، کیلشیم، فاسفورس سے بھرپور ہوتا ہے، جسم میں خون کے سرخ ذرات (Hemoglobin) بناتا ہے۔ جسم میں رطوبت فراہم کرتا ہے اور زہریلے مادوں کے اخراج کیلئے بہت فائدہ مند ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق اس میں وٹامن ب، ج اور فولاد وافر مقدار میں پایا جاتا ہے، آنکھوں کی بینائی کیلئے بھی اس کا گوشت بھی مفید ہے، اس کی یخنی آشوب چشم کیلئے بہترین نسخہ ہے، وٹامن سی کی موجودگی کی وجہ سے بخار کو کم کرکے قوت مدافعت کو بڑھاتا ہے، جوڑوں کے درد اور پھیپھڑوں میں دمہ کے انفیکشن کو روکتا ہے۔ بڑے گوشت کی جگہ اس کا گوشت زیادہ مفید اور جسمانی فوائد سے بھرپور ہے اور وہ لوگ جو بڑا گوشت نہیں کھاتے ان کے لئے یہ بہترین غذا ہے۔ مذکورہ بالا فوائد حاصل کرنے کیلئے اس کی مقدار خوراک سو گرام ہے۔ بواسیر کیلئے اونٹ کی چربی کا لیپ انتہائی مفید ہے۔

جدید تحقیق کی روشنی میں اونٹ کا گوشت کینسر کی روک تھام میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور بے حد کم چکنائی رکھنے کی بدولت وزن کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔(۴) سو گرام اونٹ کے گوشت میں تقریباً ۹۸ حرارے، ۶۱ ملی گرام کولیسٹرول، ایک گرام چکنائی جبکہ ۲۲ گرام لحمیات ملتی ہیں۔ معدنیات میں سے سوڈیم ۷۰ ملی گرام اور پوٹاشیم ۲۹۳ ملی گرام پائے جاتے ہیں۔(۵) حیاتین میں حیاتین الف حیاتین ج اور ب گروپ کے کئی حیاتین اس میں وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔

---

(۱) الدمیری، کمال الدین، (۱۹۹۳ء)، حیات الحیوان، مترجم: مولانا محمد عباس فتح پوری و دیگر، لاہور: ادارہ اسلامیات۔ ۱/۸۱۔

(۲) سورۃ الغاشیۃ، ۸۸/۱۷۔

(۳) بہترین غذا ہے گوشت / baseeratonline.com/ Apr12-2020 ۔ اطبأ نے جانوروں کے گوشت میں ایک اصول یہ بیان کیا ہے کہ جو جانور جثہ میں جتنا بڑا ہوتا ہے اس کا گوشت اسی قدر دیر ہضم اور ثقیل ہوتا ہے۔

(4) nutritionride.com/benefits of camel meat/Saad Shah.30/09/2019.

(5) my fitnesspal.com/food/camel meat/6-3-2020

گورخر کا گوشت:

رسول اللہ ﷺ نے گورخر (جنگلی گدھے) کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے گورخر کے گوشت کو تناول فرمانے کے بارے میں سب اہم روایت حضرت ابو قتادہ ؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے (ایامِ حج میں جبکہ ابھی انہوں نے احرام نہیں باندھا تھا) ایک جنگلی گدھا دیکھا اور اسے شکار کیا اور صحابہ نے اس میں سے کھایا۔ پھر کہا کہ اس بارے میں حضور ﷺ سے دریافت کر لیتے تو بہتر تھا۔ پھر آپ ﷺ سے پوچھا گیا: تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''قَدْ أَحْسَنْتُم، فَقَالَ لَنَا:هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ، قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ:فَأَهْدُوا لَنَا، قَالَ: فَأَتَيْنَاهُ مِنْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ''(۱)

''تم نے ٹھیک کیا، پھر فرمایا: کیا تم لوگوں کے پاس اس میں سے کچھ ہے؟ ہم نے کہا کہ جی، فرمایا کہ ہمیں بھی دو، تو ہم اس میں سے کچھ گوشت آپ ﷺ کے پاس لائے، آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا حالانکہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے تھے''

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ روایت کرتے ہیں :اَكَلْنَا زَمَنَ خَيْبَرَ الْخَيْلَ وَ الْحُمُرَ الْوَحْشِ (۲)''ہم نے غزوہ خیبر کے موقع پر گھوڑے اور جنگلی گدھے کا گوشت کھایا''

عمیر بن سلمہ الضمری ؓ بیان کرتے ہیں کہ:

''بَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِبَعْضِ أَثَايَا الرَّوْحَاءِ وَهُمْ حُرُمٌ إِذَا حِمَارٌ مَعْقُورٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ شَأْنُكُمْ هَذَا الْحِمَارُ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ فَقَسَمَهُ بَيْنَ النَّاسِ''(۳)

''اس دوران جبکہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ روحاءؔ کے پتھروں پر چل رہے تھے اور لوگ احرام باندھے ہوئے تھے۔ کہ اچانک ایک زخمی جنگلی گدھا ملا، آپ ﷺ نے فرمایا! اسے چھوڑ دو ممکن ہے اسے زخمی کرنے والا آ

(۱) نسائی، احمد بن شعیب، (۱۴۲۱ھ)، السنن الکبریٰ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ ۴/ ۴۸۷، رقم:۴۸۳۸۔

(۲) مسلم، الصحیح، ص۹۳۶، رقم الحدیث:۱۹۴۱۔

(۳) نسائی، احمد بن شعیب، السنن الکبریٰ، ۴/ ۴۸۷، رقم:۴۸۳۸۔

ئے۔ اتنے میں قبیلہ بہز کا ایک شخص آیا، جس نے اسے زخمی کیا تھا۔ اس نے کہا اللہ کے رسول ﷺ! آپ اس کو لے لیں تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حکم دیا کہ وہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیں"

اس کا گوشت کافی غذائیت والا ہوتا ہے۔ مزاج کے لحاظ سے گرم خشک ہے[1]۔ الدمیری کے مطابق اس کا گوشت کھانا گٹھیا اور نقرس میں مفید ہے اور چربی کی مالش سے برص ٹھیک ہوتا ہے۔[2] اس میں بکرے اور گائے کی مانند وافر لحمیات پائی جاتی ہیں۔ ۱۰۰ گرام گوشت میں ۲۵ گرام لحمیات ملتی ہیں۔ ۲۵۰ حرارے حاصل ہوتے ہیں۔

خرگوش کا گوشت:

نبی کریم ﷺ نے خرگوش کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے:

''أَرْنَباً بِمَرِّ الظَّهْرانِ، فَسَعَى القَوْمُ، فَلَغَبوا، قَالَ: بِوَرِكِهَا وَفَخذَيْهَا فَقَبِلَهُ، قُلتُ: وأَكَل منهُ''[3]

"انہوں نے مرا ظہران میں کے پاس ایک خرگوش کو دیکھا، تو اسے بھگایا، سب لوگ اسے پکڑنے دوڑے حتیٰ کہ تھک گئے مگر میں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت ابو طلحہؓ کے پاس لے کر آیا۔ انہوں نے اسے ذبح کیا اور نبی کریم ﷺ کے پاس کولہوں یارانوں کو بھیجا، تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمالیا، ایک دوسری روایت میں اسے تناول فرمالیا"

خرگوش کا شمار گوشت کی سفید اقسام میں کیا جاتا ہے۔ زود ہضم ہے۔ اس کا ریشہ نرم اور رسیلہ (پلپلا سا) ہوتا ہے۔ اس لئے بھی زیادہ پسند نہیں کیا جاتا، تاہم ذائقہ خوش گوار ہوتا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے گرم تر ہے۔ فالج، لقوہ اور تمام استرخائی امراض میں خرگوش کا گوشت مفید ہے۔ اس کے دھوون میں نقرس، گٹھیا اور وجع المفاصل کے مریضوں کو بٹھانا نفع بخش ہے۔ [4] دماغ، ریڑھ کی ہڈی اور جگر کی بیماریوں کے لیے بھی مفید ہے۔ کم چکنائی اور لحمیات کی وافر مقدار کی بنا پر اسے بوڑھوں، بچوں اور دودھ پالنے والی ماؤں کے لیے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ پٹھوں اور عضلات کی

---

[1] ابن القیم الجوزیہ، ابوعبداللہ، (س۔ن)، طب نبوی، اسلامی کتب خانہ، لاہور۔ ص ۴۹۵۔

[2] الدمیری، کمال الدین، حیات الحیوان، ۱/ ۵۸۴۔

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری،، ص ۱۱۹۵، رقم الحدیث: ۵۵۳۵۔

[4] بہترین غذا ہے گوشت / baseeratonline.com/ Apr12-2020

تعمیر میں اہم ہونے کی وجہ سے کھلاڑیوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ خون میں گلوکوز کی سطح کو بھی برقرار رکھتا ہے۔ [۱] پیشاب آور ہے اور گردوں کی پتھری تحلیل کرتا ہے۔[۲]

الدمیری لکھتے ہیں کہ شفایابی کے بعد اگر کسی عضو میں ارتعاشی کیفیت پیدا ہو جائے تو بھنے خرگوش کا دماغ کھلانا مفید ثابت ہوتا ہے۔ بھنے مغز خرگوش کو کالی مرچ کے ساتھ استعمال کرنے سے رعشہ میں فائدہ ہوتا ہے۔ خرگوش کے مغز کو گائے کے دودھ کے ساتھ استعمال کرنے سے بڑھاپے کے آثار پیدا نہیں ہوتے۔ خرگوش کا گوشت گرم خشک ہوتا ہے۔ پیٹ کو صاف کرتا ہے پیشاب خوب کھل کر لاتا ہے۔[۳] ابن قیم کے مطابق خرگوش کا گوشت بمائل قدرے گرم و خشک مگر معتدل ہوتا ہے، دست بستہ کرتا ہے، سرین کا گوشت سب سے عمدہ ہوتا ہے۔ بھون کر کھانا زیادہ بہتر ہے۔ ہرن کے بعد خرگوش کا گوشت زیادہ بہتر ہوتا ہے۔[۴]

کینسر کی روک تھام اور تابکاری اثرات کو کم کرنے کی خاصیت کی بنا پر کیموتھراپی کروانے والے کینسر کی مریضوں کو تجویز کیا جاتا ہے۔ [۵] بھنے خرگوش میں ۲۶.۰ فیصد لحمیات اور ۷.۷ فیصد چکنائی پائی جاتی ہے۔ لحمیات کی زیادتی اور چکنائی کی کمی کی وجہ سے وزن کم کرنے والے افراد اور خصوصاً کھلاڑیوں کے لیے کافی مفید ہے۔ معدنیات میں سے میگنیشیم، فارسفورس، سلفر، پوٹاشیم، کیلشیم، سوڈیم، کلورین، زنک، مگنیز، آیوڈین اور لوہے کی موجودگی اسے صحت کے لیے بہترین بناتی ہے۔[۶] ان معدنیات کی بنا پر اس کے گوشت کو کافی قابل قدر جانا جاتا ہے۔ حیاتین میں سے اس میں حیاتین ب۳ (نیکوٹینک ایسڈ)، ب۱۲ (کوبال من) اور حیاتین ج ملتے ہیں۔

پرندوں کا گوشت:

قرآن مجید میں پرندوں کے گوشت کو بہترین قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف پرندوں کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ ابن قیمؒ طب نبوی ﷺ میں پرندوں کے گوشت کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ تمام پرندوں کا

---

[۱] خرگوش گوشت فائدہ اور نقصان/ ur.indtics.com

[۲] خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۳۴۹۔

[۳] الدمیری، کمال الدین، حیات الحیوان، ص ۱۰۲-۱۰۳۔

[۴] ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص ۴۹۴۔

[۵] خرگوش کا گوشت نفع اور نقصان / ur.delachieve.com/Apr12-2020

[۶] خرگوش گوشت۔ اچھا اور برا/ ur.tierient.com

گوشت چوپایوں کے مقابلے میں زود ہضم ہوتا ہے۔ گردن اور بازو کا گوشت زود ہضم ہوتا ہے، مگر اس میں غذائیت کم تر ہوتی ہے (مگر) پرندوں کا مغز جانوروں کے دماغ کے مقابلے میں زیادہ عمدہ ہوتا ہے۔(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس بارے میں فرمایا:

''مَا مِنْ إِنْسَانٍ يَقْتُلُ عُصْفُورًا، فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا إِلَّا سَأَلَهُ اللهُ عَنْهَا، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا حَقُّهَا قَالَ: يَذْبَحُهَا فَيَأْكُلُهَا وَلَا يَقْطَعُ رَأْسَهَا فَيَرْمِي بِهَا''(۲)

''جس کسی نے کسی پرندے کو ناحق مارا اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے گا۔ میں نے پوچھا کہ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا کہ (اگر اس کا شکار کرو یا پکڑو) تو اسے ذبح کرو اور پھر اسے کھالو (ضائع نہ کرو یا مار کر ویسے ہی نہ پھینک دو) اور اس کا سر کاٹ کر نہ پھینکو بلکہ اسے بھی کھاؤ''

یوں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پرندوں کو ان کے سروں یا مغز سمیت کھانے کی تلقین فرمائی ہے۔ جن سے ان کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آج بھی تحقیق کے بعد پرندوں کے گوشت کو (سفید گوشت کے نام سے) زیادہ پسند کیا جاتا ہے اور اسے گائے، بھینس اور بکرے کے گوشت سے صحت کے لیے زیادہ فائدہ مند قرار دیا جاتا ہے۔

مرغ کا گوشت:

مرغ کے گوشت کو سفید گوشت کی قسم میں شمار یا جاتا ہے۔ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مرغ کا گوشت تناول فرمایا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْكُلُ دَجَاجًا''(۳)

''میں نے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو مرغی کھاتے دیکھا''

ایک روایت میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک دعوت کا ذکر بھی ملتا ہے جس میں ایک مہمان نے مرغی کے گوشت کو نہ کھانے کا ارادہ کیا کہ وہ گندگی کھاتی ہے۔ اس پر حضرت ابو موسیٰؓ نے اسے پھر سے بلایا اور فرمایا:

''ادْنُ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ مِنْهُ''(۱)

---

(۱) ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص ۵۰۰۔

(۲) لنسائی، السنن الکبریٰ، ۴/ ۴۸۹، رقم الحدیث: ۴۸۴۱۔

(۳) بخاری، الصحیح، ص ۱۱۹۳، رقم الحدیث: ۵۵۱۷۔

"پاس آجاؤ (اور اسے کھاؤ کیونکہ) بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی مرغی کے گوشت سے کھاتے دیکھا ہے"

اس سلسلے میں حضرت ابن ابی شیبہ ؒ حضرت عمر ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ گندگی کھانے والی مرغی کو تین دن بند کرکے صاف غذا دی جائے تو پھر اس مرغی کو کھایا جاسکتا ہے۔

ابن قیم لکھتے ہیں کہ مرغی کا گوشت پہلے درجہ میں گرم تر ہوتا ہے، یہ معدہ پر ہلکا اور زود ہضم ہے۔ جبکہ مرغ کا گوشت بہت زیادہ گرم ہوتا ہے اور اس میں نسبتاً رطوبت کم ہوتی ہے۔(۲) بعض اطبأ کے نزدیک مرغ کے چوزے میں تری پائی جاتی ہے۔ مرغ کو زیادہ اور ہمیشہ کھانا بواسیر اور نقرس پیدا کرتا ہے۔ دیسی گھی اس کی اصلاح کرتا ہے۔ اعتدال کے ساتھ مرغ کے گوشت کا استعمال عقل کو تیز کرتا ہے۔ دماغ، فہم ادراک اور ذہن کو قوی کرتا ہے، آنتوں کے درد کو نافع ہے، رنگت اور آواز کو صاف کرتا ہے۔(۳) ڈاکٹر خالد غزنوی کے مطابق مرغی کا گوشت مصلح معدہ ہے، پیٹ سے گندی ہوا خارج کرتا ہے، زود ہضم، دماغ کے لیے مقوی، آواز نکھارنے والا، رنگت صاف کرنے والا، عقل بڑھانے والا، صالح خون پیدا کرنے والا ہے۔ یہ درد قولنج، دمہ، پرانی کھانسی کو دور کرتا، کمزوری رفع کرتا ہے۔ خصوصاً اس کے چوزے یخنی بے حد مفید ہے۔

حکیم محمد یٰسین دنیا پوری لکھتے ہیں کہ مرغ کا گوشت کثیر اخلۃً ہے۔ مزاج کے لحاظ سے گرم خشک ہے۔ دوسرے تمام گوشتوں سے مقوی اور لذیذ مانا جاتا ہے ۔کمزور اور نحیف مریضوں کو طاقت دیتا اور بیماری کے بعد کی کمزوری کو جلد دور کرتا ہے۔(۴) مرغی کے ۱۰۰ گرام گوشت میں ۱۱۹ حرارے پائے جاتے ہیں۔ لحمیات ۲۱.۴ گرام، چکنائی ۳.۱ گرام، کولیسٹرول ۷۰ ملی گرام ملتے ہیں۔ معدنیات میں سوڈیم ۷۷ ملی گرام، کیلشیم ۱۵ ملی گرام، فارسفورس

(۱) نسائی، السنن الکبریٰ، ۴/۸۸، ۴۸۴، رقم الحدث: ۴۸۴۰۔

(۲) ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص۴۹۷۔

(۳) بہترین غذا ہے گوشت / baseeratonline.com/ Apr12-2020

(۴) دنیاپوری، محمد یٰسین (حکیم)، (۲۰۰۵ء)، خواص المفردات، یٰسین طبی کتب خانہ، دنیاپور۔ ج۲، ص۱۵۲۔

۱۸۷ ملی گرام، آئرن ۹.۱ ملی گرام ملتے ہیں۔[۱] روزانہ کی ضرورت کے مطابق حیاتین الف ۳فیصد، کیلشیم ایک فیصد، حیاتین ب ۱۲ ۵ فیصد، حیاتین ب ٦ ۲۰ فیصد، اور میگنیشیم ۵ فیصد ملتے ہیں۔

بٹیر کا گوشت:

تیتر کی نسل کا مشہور چھوٹا جنگلی پرندہ ہے۔ جال لگا کر شکار کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بٹیر کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ حضرت سفینہؓ روایت کرتے ہیں:

''أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَحْمَ حُبَارَى''[۲]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بٹیر کا گوشت کھایا''

حباریٰ بٹیر کو کہا جاتا ہے۔[۳] مزاج کے لحاظ سے گرم اور خشک ہوتا ہے۔ فالج کا علاج کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خفقان، لقویٰ اور وجع المفاصل (جوڑوں کے درد) میں خصوصیت سے مفید ہے۔[۴] ڈاکٹر خالد غزنوی نے قدیم اطباٗ کے مشاہدات میں بٹیر کے گوشت کو جسمانی اعضا کو قوت دینے والا اور کمزور ہاضمہ کے حامل اور لاغر لوگوں کے لیے بہترین کہا ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ بھوک بڑھاتا ہے اور تپدق کے مرض میں مفید ہے۔[۵] ابن قیمؒ طب میں بٹیر کے گوشت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حرارتِ جگر کے لیے مضر ہے۔ سرکہ اور دھنیا کے استعمال سے اس کی مضرت کو دور کیا جاسکتا ہے۔[٦]

بعض اطباء کے نزدیک بٹیر کا گوشت گلابی، ذائقہ نمکین، مزاج تقریباً معتدل ہے، تپ دق میں کھانا مفید ہے۔ اخلاط کے فساد کو دفع کرتا، بھوک خوب بڑھاتا، معدہ کو قوت بخشتا ہے۔ کمزور اور لاغر مریضوں کے لیے اور

---

[۱] مرغ کے کچے اور بھنے ہوئے گوشت اور ان کے مختلف حصوں میں غذائی اجزا کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے دیکھیں: سعیدہ غنی، (پروفیسر) و دیگر، غذا اور غذائیت، ص۷۹؛ nationalchickencouncil.org>The Nutritional Value of Chicken

[۲] ابو داؤد، السنن، ص ٦٨٣، رقم الحدیث: ۲۷۹۷؛ جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۱۸۲۸۔

[۳] نوری، انیس احمد، کھانے پینے کی سنتیں، ص ۲٦۰۔ مگر کچھ علمائے نے اسے سرخاب بھی کہا ہے۔ موجودہ مقالے میں بٹیر والی رائے کو مقدم کیا گیا ہے۔

[۴] دنیاپوری، خواص المفردات، ج ۲، ص ۱۴۸۔

[۵] خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۳۵۲۔

[٦] ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص ۵۰۰۔

انتڑیوں کے ضعف میں اس کا گوشت نہایت مفید ہے۔[1] ۱۰۰ گرام بٹیر کے بھنے ہوئے گوشت میں ۲۲۷ حرارے، ۲۵ حرارے، ۲۵ گرام لحمیات، ۱۴ گرام چکنائی، ۸۶ ملی گرام کولیسٹرول پائے جاتے ہیں۔ معدنیات میں سوڈیم ۵۲ ملی گرام، کیلشیم ۲۵ ملی گرام، آئرن ۸۰ ملی گرام، میگنیشیم ۱۸۰ ملی گرام اور پوٹاشیم ۲۱۶ ملی گرام ملتے ہیں۔ حیاتین میں سے روزانہ کی ضرورت کے مطابق حیاتین الف ۴ فیصد، حیاتین د ۲ فیصد، حیاتین ج تین فیصد، حیاتین ب ۶ ۳۰ فیصد، حیاتین ب ۱۲ ۶ فیصد ملتے ہیں۔[۲]

مچھلی :

قرآن حکیم میں یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی کے شکار کو انسانی غذا کے لیے حلال و درست قرار دیا ہے۔ سورۃ فاطر، آیت ۱۲ میں کھاری اور تازہ دونوں پانیوں کی مچھلی کو "لَحْماً طَرِیّاً" تازہ گوشت کہا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے دو مردار مچھلی اور ٹڈی کو حلال قرار دیا ہے۔ انسان اکثر پانی کے کناروں پر آباد ہوتے رہے۔ اس لیے آغاز سے ہی مچھلی کو بطور غذا استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ ابن قیم نے طب نبوی میں تازہ سمندری مچھلی کو سرد تر مزاج کا حامل قرار دیا اور نمک لگی مچھلی کو گرم خشک کہا ہے اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ مچھلی کو نمک لگائے جتنا عرصہ گزرے اتنا ہی اس میں حرارت و یبوست (گرمی و خشکی) بڑھتی جائے گی۔[۳] قانون مفرد اعضاءؔ کے مطابق مچھلی کا مزاج سرد خشک ہے۔ اس وجہ سے یہ جسم میں خشکی پیدا کرتی، خون گاڑھا کرتی اور دل کو تقویت دیتی ہے۔ اس کی بہترین اصلاح گرم مصالحہ، سرخ مرچ اور ادرک، لہسن، نمک سے کی جاتی ہے۔[۴]

علم غذائیت کے مطابق مچھلی میں پانی کی مقدار ۸۰ فیصد، لحمیات کی مقدار ۱۴ سے ۲۳ فیصد اور نائٹروجن کے دوسرے مرکبات موجود ہوتے ہیں۔ نشاستہ بہت کم مقدار میں ہوتا ہے۔ اس لیے ذیابیطس کے مریضوں کو اس کے کھانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ معدنیات میں کیلشیم، فارسفورس، تانبہ اور آیوڈین پائے جاتے ہیں، حیاتین (الف اور د) کی مقدار بھی دوسرے اکثر جانداروں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ خصوصاً مچھلی کے جگر میں حیاتین الف بڑی مقدار میں جمع

---

[۱] بہترین غذا ہے گوشت / baseeratonline.com/ Apr12-2020

(2) Quail meat nutrition facts .for more details : nutritiondata.self>facts/ quail, meat only.

[۳] ابن القیم الجوزیہ، طب نبوی، ص ۴۳۱۔

[۴] دنیاپوری، محمد یٰسین (حکیم)، خواص المفردات، ج۱، ص ۲۵۷-۲۵۸۔ حکیم محمدی کے مطابق چونکہ مچھلی کی غذا میں سب سے زیادہ جز چونا یعنی کیلشیم کا ہوتا ہے جو بذات خود سرد خشک ہے۔ اس لیے مچھلی سرد خشک مزاج کی حامل ہوتی ہے۔

ہوتا ہے۔ مچھلی میں انسانی جسم کے لیے مفید کولیسٹرول موجود ہوتا ہے جو مضر کولیسٹرول کو کم کرکے دل اور کولیسٹرول کے مریضوں کو فائدہ دیتا ہے۔ مچھلی کا تیل زکام، کھانسی دمہ اور سردی سے بچاؤ میں ازحد موئثر ہے، آنکھوں اور جلد کی حفاظت کرتا ہے۔(۱) رسول اللہ ﷺ نے مچھلی کا گوشت تناول فرمایا ہے۔ یہ ایک بڑی مچھلی تھی جسے تین سو سواروں نے دو ہفتے تک کھایا تھا۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں اسے عنبر کا نام دیا گیا۔ آثار سے معلوم ہوا کہ وہ ایک وہیل تھی۔

وہیل کا گوشت:

مسلم شریف میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ:

''بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَمَّرَ عَلَيْنَا أَبَا عُبَيْدَةَ..فَهَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ فَتُطْعِمُونَا، قَالَ: فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْهُ فَأَكَلَهُ''(۲)

''نبی کریم ﷺ نے ہم تین سو سواروں کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی قیادت میں ساحلی علاقہ کی طرف گشت پر روانہ فرمایا، ہمارا راشن ختم ہو گیا غذائی کمی میں ہم نے کانٹے دار جھاڑیاں بھی کھائیں پھر سمندر نے ہماری جانب ایک بہت بڑی مچھلی پھینک دی، ہم نے اس مچھلی کو آدھ مہینہ تک کھایا ایک روز حضرت ابو عبیدہ نے اس مچھلی کی ایک پسلی لی اور اسے کھڑا کیا ایک شتر سوار آرام سے اس پسلی کے نیچے سے گزر گیا۔(ایک اور روایت میں ہے کہ) مدینہ واپس آکر ہم نے اس مچھلی کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو اس نے تمھارے لیے نکالا، پھر پوچھا کہ اس کے گوشت میں سے ہمارے کھانے کے لیے کچھ باقی ہے؟ پھر ہم نے اس میں سے حضور ﷺ کے لیے بھیجا تو آپ ﷺ نے کھایا''

اس روایت اور متعلقہ دوسری روایات سے وہیل کے گوشت کی افادیت کا علم ہوتا ہے کہ غذا کے بغیر رہنے والے اور بے حد قلیل غذا پر گزارہ کرنے والے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اس کے کھانے سے فربہ ہوگئے تھے۔ پھر یہ بات بھی بہت اہمیت کی حامل ہے کہ نبی کریم نے کئی ایسی اشیأ جو ان کے علاقے کی نہ ہوتی تھیں ،انہیں تناول نہیں فرمایا۔ جیسا کہ کتب احادیث میں آپ ﷺ کے گوہ کے کھانے سے اجتناب کرنے سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ نے خود اس کے گوشت کے بارے میں دریافت فرمایا اور اس کے گوشت کو تناول فرمایا۔ صحابہ کرام کو ملنے والی مچھلی کو عنبر کا نام دیا گیا، نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ایک خاص قسم کی خوشبو عنبر کا علم بھی ہوتا ہے، بعد کی

---

(۱) خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۳۸۱-۳۹۴۔

(۲) مسلم، الصحیح، ص ۹۳۲، رقم الحدیث: ۱۹۳۲۔

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ دواؤں میں استعمال ہونے والا عنبر یا اشہب عنبر اسی مچھلی کا فضلہ پاتے ہے۔(۱) کمال الدین الدمیری اسے "بال" کا نام دیتے ہیں۔ حیات الحیوان میں لکھتے ہیں "بال" اس بڑی مچھلی کو کہتے ہیں جس کی لمبائی پچاس گز تک ہوتی ہے۔ یہ بڑے سمند میں پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ اس مچھلی کو عنبر کہتے ہیں۔(۲)

وہیل کو دنیا میں سب سے بڑا جاندار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ بچے دیتی ہے، بچوں کو دودھ پلاتی ہے اور سطح سمندر پر آکر پھیپھڑوں سے سانس لیتی ہے۔ یہ ممالیہ خاندان سے ہے اور اپنے افعال اور خصائص کی بنا پر یہ مچھلی کی بجائے یہ گائے سے ملتی ہے۔ (۳) وہیل کی کئی اقسام ہیں۔ بڑی اقسام برفانی سمندروں میں اور چھوٹی اقسام میٹھے پانی کی جھیلوں میں پائی جاتی ہیں۔ لمبائی میں تین چار فٹ سے لے کر سو فٹ تک بھی ہوتی ہیں۔ یہی حال ان کے وزن کا ہے۔ بڑی وہیل کا وزن ڈیڑھ سو ٹن تک پایا گیا ہے۔(۴) وہیل کے جگر کے تیل میں حیاتین" الف اور د "وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی چربی کو جلدی بیماریوں میں بطور مرہم استعمال کیا جاتا ہے۔ مسکن اثرات کی وجہ سے اسے پیشاب کی جلن میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے تیل کو کئی مصنوعات (مثلاً صابن، چھپائی کی سیاہی، رنگ و روغن، بناسپتی گھی، مارجرین (نقلی مکھن)، منہ پر لگانے والی کریموں، اور بوٹ پالش وغیرہ) میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ٹڈی:

ٹڈی مشہور عام اڑنے والا کیڑا ہے۔ یہ لاکھوں کی تعداد میں لشکر کی شکل میں رہتا ہے۔ جہاں جاتا ہے، سبزے کا صفایا کر دیتا ہے۔ بادل کی مانند اڑتا ہے حتیٰ کہ وہاں سورج کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ ٹڈی کھائی جاتی ہے۔ اس کا ذکر کئی احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔ الدمیری لکھتے ہیں کہ ٹڈی کو عربی میں الجَرَاد کہتے ہیں۔ اسے **پرندہ** سمجھا جاتا ہے۔ ٹڈی **بری** اور **بحری** دو قسم کی ہوتی ہے۔ یہ جسامت میں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں، بعض زرد رنگ کی اور بعض سفید رنگ کی ہوتی ہیں۔ (۵) ٹڈی میں مختلف جانوروں کی دس چیزیں پائی جاتی ہیں مثلاً :۱-گھوڑے کا چہرا، ۲-ہاتھی کی آنکھ، ۳-بیل کی گردن، ۴-بارہ سنگا کا سینگ، ۵-شیر کا سینہ، ۶-بچھو کا پیٹ، ۷-گدھ کے پر، ۸-اونٹ کی ران، ۹-شتر مرغ کی ٹانگ اور

---

(۱) خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس ۲/۴۴۵۔

(۲) الدمیری، کمال الدین، حیات الحیوان، ۱/۳۰۳۔

(۳) خالد غزنوی (ڈاکٹر)، طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس، ۲/ ۴۳۹۔

(۴) ایضاً، ۲/۴۴۰۔

(۵) الدمیری، کمال الدین، حیات الحیوان، ۱/۴۹۰۔

۱۰-سانپ کی دم ہوتی ہے۔ ٹڈی کا لعاب نباتات کے لئے زہر قاتل ہے۔ اگر کسی نباتات پر پڑ جائے تو اسے ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کھیت میں پہنچ جاتی ہے اس کو برباد کرتی ہے۔(۱)

آپ ﷺ نے دو مردوں مچھلی اور ٹڈی (یعنی جن کو ذبح نہ کیا جاتا ہو) کو حلال قرار دیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ٹڈی کی زیادتی اور بڑھوتری پر اس کی ہلاکت کے بارے میں یوں دعا فرمائی:

''كَانَ اللَّهُمَّ أَهْلِكْ كِبَارَهُ، وَاقْتُلْ صِغَارَهُ، وَأَفْسِدْ بَيْضَهُ، وَاقْطَعْ دَابِرَهُ، وَخُذْ بِأَفْوَاهِهَا، عَنْ مَعَايِشِنَا وَأَرْزَاقِنَا، إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ''(۲)

''اے اللہ! بڑی ٹڈیوں کو ہلاک کر دے، چھوٹی ٹڈیوں کو مار دے، ان کے انڈے خراب کر دے اور ان کی اصل (جڑ) کو کاٹ دے اور ان کے مونہوں کو ہماری روزی اور غلوں (اجناس) سے پکڑ لے، بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے''

ایک دوسری راویت میں آپ ﷺ نے ٹڈی کھانے حکم بھی فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ:

''خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي حَجَّةٍ، أَوْ عُمْرَةٍ، فَاسْتَقْبَلَنَا رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ، أَوْ ضَرْبٌ مِنْ جَرَادٍ، فَجَعَلْنَا نَضْرِبُهُنَّ بِأَسْوَاطِنَا، وَنِعَالِنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: كُلُوهُ، فَإِنَّهُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ''(۳)

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے نکلے ہمارے سامنے ٹڈیوں کا ایک جھنڈ آیا یا ایک قسم کی ٹڈیاں آئیں تو ہم ان کو اپنے کوڑوں اور جوتوں سے مارنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں کھاؤ یہ دریا کا شکار ہیں''

ٹڈی کھانے کے بارے میں ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَوْ سِتّاً كُنَّا نَاكُلُ مَعهُ الْجَرَادَ''(۴)

---

(۱) الدمیری، کمال الدین، حیات الحیوان، ۱/۴۹۴۔

(۲) ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، ص۱۰۷۳-۱۰۷۴، رقم الحدیث:۳۲۲۱۔

(۳) ابن ماجہ، السنن، ص۱۰۷۴، رقم الحدیث:۳۲۲۲۔

(۴) بخاری، الصحیح، ص۱۱۸۹، رقم الحدیث:۵۴۹۵۔

''ہم نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں چھ یا سات غزوات میں حصہ لیا، ہم (کئی مرتبہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے''

لوگ اسے پکڑ کر خشک کر لیتے ہیں اور بوقت ضرورت گھی میں بھون کر کھاتے ہیں۔[1] حضرت انسؓ ٹڈیوں کے بارے میں امہات المومنینؓ کے عمل کو بیان فرماتے ہیں:

''كُنَّ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ ﷺ تَهَادَيْنَ الْجَرَادَ، عَلَى الْأَطْبَاقِ''[2]

''کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہراتؓ ٹڈیوں کو پلیٹوں میں ڈال کر بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھیں''

عرب ممالک میں ٹڈی کھانے کا خاص رواج ہے۔ آج بھی وہاں مہنگے داموں زندہ ٹڈیاں خریدی جاتی ہیں۔ ٹڈی کو خشکی کے جھینگے کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ ٹڈی کی ایک بڑی قسم کی صفائی جھینگے کی طرح ہی کی جاتی ہے کہ گردن توڑ کر سخت خول کو کھینچ لیا جاتا ہے اور باقی بچ جانے والے نرم حصے کو غذا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔[3] غذائی ماہرین کے مطابق ٹڈیاں لحمیات سے بھرپور ہوتی ہیں۔ ان میں ۶۲ فیصد لحمیات، ۱۷ فیصد چکنائی اور ۲۱ فیصد حیاتین اور وافر معدنیات (میگنیشیم، کیلشیم، آئرن، سوڈیم، پوٹاشیم اور فارسفورس) ملتی ہیں۔

طبی ماہرین کے مطابق ٹڈی کھانے سے مختلف موسمی بیماریاں اور جوڑوں کا درد ختم ہو جاتی ہیں۔ خصوصاً یہ کمر درد میں مفید ثابت ہوئی ہیں۔ وہ بچے جن کی افزائش سست ہو ان کے لیے ٹڈیاں کھلانا مفید ہے۔ ہاضم ہونے کے ساتھ، یہ پیٹ کی گیس اور سوزش رفع کرنے میں بے نظیر ہیں۔ خون کو پتلا کر کے رکاوٹوں کو دور کرتی ہیں۔ جلدی بیماریوں مثلاً پھوڑے پھنسیوں، خارش اور چنبل وغیرہ کو نابود کرتی ہیں۔ مسوں کو تحلیل کرنے کے لیے دیہاتی لوگ ٹڈی کا عام استعمال کرتے ہیں۔ جوڑوں کے پتھرا (Freeze) جانے میں اس کا استعمال بہت مفید ہے۔[4] بعض اطباً کا کہنا ہے کہ ٹڈی گرم خشک ہے' اس میں غذائیت کم ہوتی ہے' ہمیشہ اس کو کھانے سے لاغری پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کی دھونی دی

---

(۱) دنیاپوری، محمد یٰسین، خواص المفردات، ج۲، ص۱۵۴۔

(۲) ابن ماجہ، السنن، ص۱۰۷۳، رقم الحدیث: ۳۲۲۰

(۳) ۳مارچ ۲۰۱۸۔ ٹڈی کھانے کا کیا حکم ہے؟ SAAGRTIMESBLOGSPOT.COM/

(۴) دنیاپوری، خواص المفردات، ج۲، ص۱۵۴۔

جائے تو سلس البول اور پیشاب کی پریشانی کو ختم کرتی ہے۔ بالخصوص عورتوں کے لئے بہت زیادہ مفید ہے۔ بواسیر میں بھی اس کی دھونی دی جاتی ہے اور بچھو کے ڈنک مارنے پر فربہ ٹڈیوں کو بھون کر کھایا جاتا ہے۔[1]

خلاصہ بحث:

انسان نباتاتی اور حیوانی ذرائع سے غذا حاصل کرتا ہے۔ حیوانی ذریعہ میں گوشت اہم غذا ہے۔ یہ ہمیں کئی ایسے ضروری اجزا فراہم کرتا ہے جو جسمانی خلیوں کے بنانے، نشوونما کرنے اور ٹوٹ پھوٹ سے بچانے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ مگر اس کا ضرورت سے زیادہ استعمال فائدہ کی بجائے کئی مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حلال جانوروں کے گوشت کو بڑے متوازن انداز میں کھانے کی تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ گوشت انسانی صحت کے لیے اہم تو ہے مگر اس کا زیادہ استعمال نقصان دہ بھی ہے۔ آپ ﷺ نے جن جانوروں کا گوشت تناول فرمایا، جن سے منع فرمایا اور گوشت کو جن طریقوں سے استعمال فرمایا، جدید غذائی سائنس آج تجربات کے ذریعے ان کی افادیت اور اہمیت کو جان رہی ہے اور انہیں تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ آج انسان کو صحت کے بے شمار مسائل اور ان کے ساتھ جڑے مالی اور ذہنی مسائل کا سامنا ہے۔ اگر ہم صرف غذا کو ہی رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کریں تو ان مسائل سے بچا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

[1] حیرت ہے آپ نے کبھی ٹڈی کا گوشت نہیں کھایا۔ mohaddis.com/threads/Apr16-2020

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم
۲. احمد بن حنبل،(س۔ن)،المسند،مؤسسۃ قرطبہ،مصر۔
۳. اعوان،مظفر حسین(حکیم)،(۱۹۸۴ء)،کتاب المفردات،لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴. بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،(۱۹۸۷ء)،الصحیح،دار ابن کثیر،بیروت۔
۵. بغوی،حسین بن مسعود،(۱۴۱۶ھ)،الانوار فی شمائل النبی المختار،دار المکتبہ،دمشق
۶. پروین خانو،(ڈاکٹر)ودیگر،(۱۹۹۳ء)،صحت اور غذائیت،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،اشاعت سوئم
۷. ترمذی،ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی،(س۔ن)،السنن،مطبعۃ مصطفی البابی۔
۸. بیہقی،ابوبکر احمد بن الحسین بن علی،(۱۹۹۴ء)،السنن الکبری،مکتبۃ دار الباز،مکۃ المکرمۃ۔
۹. بیہقی،احمد بن حسین ابوبکر(م۴۵۸ھ)،السنن الکبریٰ،دار الکتب العلمیہ،بیروت
۱۰. خان،ڈاکٹر محمد اقبال وڈاکٹر ہارون بلال،(۲۰۱۳ء)،غذا اور غذائیت،مکتبہ دانیال،لاہور،پاکستان
۱۱. خالد غزنوی(ڈاکٹر)، (۲۰۰۱ء)،طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس،لاہور:الفیصل ناشران و تاجران کتب
۱۲. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث،(۱۹۹۴ء). السنن، تحقیق:شعیب الارنؤوط،دار الفکر،بیروت۔
۱۳. دنیاپوری،محمد یٰسین(حکیم)،(۲۰۰۱ء)،خواص المفردات،حصہ اول(عضلاتی)،دنیاپور:یٰسین طبی کتب خانہ
۱۴. دمیری،کمال الدین،(۱۹۹۳ء)،حیات الحیوان،مترجم:مولانا محمد عباس فتح پوری ودیگر،لاہور:ادارہ اسلامیات
۱۵. شاہین،محمد اسلم(حکیم)،(۲۰۰۸ء)،علاج باغذیۃ،مکتبہ نوریہ رضویہ،فیصل آباد
۱۶. طبرانی،سلیمان بن احمد،(۱۴۰۴ھ)،المعجم الکبیر،مکتبہ الزہراء،الموصل
۱۷. نسائی،ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی،السنن،مکتب المطبوعات الاسلامیۃ،حلب۔
۱۸. نسائی،احمد بن شعیب،(م۳۰۳ھ)،السنن الکبریٰ،موسسۃ الرسالۃ،بیروت
۱۹. ابن القیم الجوزیہ،ابوعبداللہ،(س۔ن)،طب نبوی،اسلامی کتب خانہ،لاہور
۲۰. مفید غذائیں دوائیں،(۲۰۱۱ء)،ہمدرد فاؤنڈیشن،کراچی،پاکستان
21. Quail meat nutrition facts .for more details: nutritiondata.self>facts/quail, meat only.
22. nutritionride.com/benefits of camel meat/Saad Shah.30/09/2019.

23.my fitnesspal.com/food/camel meat/6-3-2020
24.See for details: N.H.CASEY, GOAT MEAT IN HUMAN NUTRATION. NEW DELHI: INDIAN CONCIL OF AGRICULTURAL RESEARCH, 1992.
25.healthlaine.com/nutrition/foods/beef/6-3-20
26.drhealthbenefits.com/food-bevarages/meats/health-benefits-of-camel-liver
27.myfitnesspa.com,29/06/2020
28./dailypakistan.com.pk/Nov-03-2015
29.doctor.ndtv,com/living-healthy/bone-broth-7health-benefits/1/7/20
30.javedch.com.health2018/03/16
31.Ibrahim Abdullah, Profile of Some Trace Elements in the Liver of Camels, Sheep, and Goats in the Sudan, Khartoum: Institute of Veterinary Research, 2013.

ریاست کے داخلی امن و استحکام میں تحفظاتی اداروں کا کردار
(فکرِ قرآنی کی روشنی میں)

☆ غلام رسول زاہد

☆☆ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی

ABSTRACT

The first and foremost duty of a state is to protect life, honour, property and liberty of its citizens through maintenance of law and order and ensuring peace and security in its entire jurisdiction. The Holy Quran attaches utmost importance to peace and internal security and confers basic guiding principles for the state and all its institutions as well as individuals to attain and maintain peace and tranquility in the society. There are various state organs which are responsible for this most significant state function; however the security institutions are entrusted with the most crucial duty of combating crime, bringing criminals and miscreants to book and ensuring security and stability, thereby fulfilling the basic state obligation. Based upon the fundamental Quranic concepts of peace and internal security, we find perfect guidance in the Holy Quran for security institutions to conduct, discipline and regulate their obligatory duties in accordance with its glorious teachings. In modern day state, particularly in the context of wide ranging and multifaceted threats posed by organized crime, terrorism, subversion and fifth generation warfare, the Quranic guidance for front line security institutions is in fact the only way to strike fine balance between effective enforcement of law and equitable safeguard of constitutional rights of citizens. The Quranic verses throw ample light and guide these institutions in discharging their functions and fulfilling their responsibilities in consonance with the most effective and fruitful manner ordained by Allah Almighty. The obedience in "maroof" only, "Amar-Bil-Maroof" and "Nahi-anil-Munkar", protection of human rights, maintaining peace and order, observing due process of law, compliance of lawful orders alone, preventing crime and delinquency, conducting impartial investigation on facts and ensuring witness protection are some of the hallmarks of Quranic principles related to functions of security institutions as embodied in its divine verses.

Keywords: Quran, Thought, Law, Peace

ریاست کے داخلی امن و استحکام کے قیام اور استقرار کی ذِمہ داری جن اداروں پر عائد ہوتی ہے اُن میں سے تحفظاتی ادارے سب سے زیادہ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ تمام ریاستی ادارے اور ستون بلاشبہ بے حد اہم ہیں۔ مقنّنہ کا

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆ چیئرمین شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

اِدارہ قانون سازی اور آئین سازی کی اساسی نوعیت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ عدلیہ آئینی اور ملکی قوانین کی روشنی میں قانون کی تعبیر کرتی ہے اور عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بناتی ہے لیکن یہ تحفظاتی اور قانون نافذ کرنے والے ادارے ہیں جو داخلی امن و استحکام کے محاذ پر پہلی صف میں نبرد آزما ہوتے ہیں۔ فوج کا اِدارہ قومی سلامتی کو لاحق سنگین خطرات اور بیرونی جارحیت کا مقابلہ کرتا ہے۔ انٹیلی جینس اِدارے انٹیلی جینس اور کاؤنٹر انٹیلی جینس (Intelligence and Counter Intelligence) کارروائیوں کے ذریعے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ قومی تفتیشی اِدارے معاشی جرائم، سائبر کرائم (Cyber Crime) اور ملکی سطح کی غیر قانونی سرگرمیوں کے مرتکب افراد کو بے نقاب کرتے ہیں، اور ان سب سے بڑھ کر پولیس کا اِدارہ ریاست کی بنیادی ذمہ داری یعنی شہریوں کے جان، مال، عزت اور سلامتی کے تحفظ سے متعلقہ فرائض کی انجام دہی کرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جب ہم تاریخی اعتبار سے ریاستی تصّور کے اِرتقاء کا جائزہ لیتے ہیں تو تشکیل ریاست کے عمل میں تحفظاتی اداروں کی ضرورت و افادیت ہمیں ایک بنیاد کے پتھر کی حیثیت میں نظر آتی ہے۔ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ ریاست کی تشکیل کی ضرورت اوّل اوّل جرائم کی سرکوبی اور امنِ عامہ کے قیام کی خاطر محسوس کی گئی تھی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ریاست کی طرف سے محصولات کے نظام (Taxation System) کا جواز بھی اِسی بنیاد کو بنایا گیا تھا کہ ریاست اِن محصولات کے عوض شہریوں کو جرائم سے پاک اور امن و استحکام پر مبنی ماحول فراہم کرے گی۔ ریاست ایک ایسی ہئیت مقتدرہ ہے جس کی بنیاد آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدارِ اعلیٰ پر مبنی ہوتی ہے، یہی عناصرِ اربعہ ریاست کی تشکیل کرتے ہیں۔

مشہور جرمن ماہرِ سماجیات (Sociologist) میکس ویبر Max Weber نے ریاست کی تعریف اِن الفاظ میں کی ہے:

"State is a polity that maintains a monopoly on the legitimate use of violence"[1]

"ریاست ایک ایسا سیاسی نظام ہے جو تشدد کے قانونی استعمال پر اجارہ داری رکھتا ہے۔"

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق:

"The state is a form of human association distinguished from other social groups by its purpose; the establishment of order and security; its

(1) Trevor C. Salmon, Mask F. Imber, Issues in International Relations, Taylor & Francis, Bingdom UK 2008 p54

methods, the laws and their enforcement; its territory, the area of jurisdiction or geographical boundaries and finally by its sovereignty"(1)

"ریاست انسانی تنظیم کی ایسی شکل ہے جو دوسرے سماجی گروہوں سے ممتاز ہوتی ہے، بہ لحاظ اس کے مقصد کے؛ امن و امان اور سیکیورٹی کے قیام کے حوالے سے؛ اس کے طریقِ کار، قوانین اور ان کے نفاذ سے؛ اس کے علاقے، علاقائی دائرہ اختیار یا جغرافیائی حدود سے اور آخر میں اس کے اقتدارِ اعلیٰ کے اعتبار سے۔"

اس تعریف میں بھی امن و امان اور شہریوں کے تحفظ کو ہی وہ اوّلین بنیاد قرار دیا گیا ہے جس پر ریاست کا ادارہ استوار کیا جاتا ہے۔ میکس ویبر (Max Weber) کی تعریف میں طاقت اور تشدد کے استعمال کو بہت سے تائیدی اور مخالفانہ تنقید کا سامنا کرنا پڑا لیکن اس تعریف کی روح میں ہئیت مقتدرہ کی اتھارٹی کی جس طاقت کا ذِکر ہے وہ ایک سیکولر ریاست کے لیے قیام و بقاء کا ذریعہ بھی ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے ریاست اور اس کے تحفظاتی اداروں کے لیے صرف جائز اور قانونی طاقت کے استعمال کو روا رکھا ہے۔

ابو نصر فارابی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "آراء اھل المدینۃ الفاضلۃ" میں ریاست کی دو اقسام "المدینۃ الفاضلۃ و مضاداتھا والمدینۃ الجاھلۃ" کے ضمن میں لکھا ہے:

"ریاست فاضلہ سے مراد وہ ریاست ہے جو ان افعال و عادات اور ملکات ارادیہ کو مضبوط کرتی ہے جن کے ذریعے حقیقی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے۔ دوسری ریاست وہ ہے جو معاشرے میں ان افعال و عادات کو مضبوط و مستحکم اور رائج کرتی ہے جو خیال اور وہمی سعادت و مسّرت کا ذریعہ تو ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ایسی نہیں ہوتی یہ ریاست جاہلیہ ہوتی ہے" (۲)

عہدِ حاضر کی ریاست کا تصّور ۱۶۴۸ کے معاہدہ ویسٹ فیلیا(The Treaty of Westphalia)کا مرہون منت ہے۔ عہدِ یونان کی شہری ریاستوں سے لے کر عہدِ حاضر کی جمہوری، نیم جمہوری اور آمرانہ ریاستوں کا ارتقاء ایک مخصوص تاریخ رکھتا ہے۔

---

(1) https://www.britannica.com/topic/state-sovereign-political-entity accessed on 8th May 2020 1900 hrs

(۲) الفارابی، ابو نصر، (۱۹۰۶ء)، آراء اہل المدینہ الفاضلہ، دار المشرق، بیروت۔ لبنان. ص:۲۷

امن کا لفظ خوف کی ضد کے طور مستعمل ہے، جیسا کہ ابنِ منظور نے اسے لسان العرب میں ''والأَمْنُ: ضدُّ الْخَوْفِ'' قرار دیا ہے [1]۔

علامہ راغب اصفہانی نے المفردات میں امن کے ذیل میں اس کی تعریف یوں کی ہے:

''أصل الأَمْن: طمأنينة النفس وزوال الخوف، والأَمْنُ والأَمَانَةُ والأَمَانُ في الأصل مصادر''[2]

''امن کی اصل نفس کی طمانیت اور خوف کا زائل ہونا ہے، اور اس کے اصل مصادر امن، امانۃ اور امان ہیں''

قرآن مجید میں سورۃ قریش میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ﴾[3]

''وہی ذات باری ہے جس نے اُنہیں بھوک میں کھلایا اور خوف میں امن عطا کیا''

تحفظاتی اداروں میں فوج اور پولیس کے علاوہ پیرا ملٹری، وفاقی تحقیقاتی، کسٹم انٹیلی جنس اور انسدادِ منشیات کے اداروں بشمول کوسٹ گارڈ کے ساتھ ساتھ بالواسطہ طور پر قومی سطح پر مخابراتی اور پالیسی ساز ادارے جیسے نیکٹا بھی شامل ہیں۔ پولیس براہِ راست داخلی امن و استحکام کے لیے سب سے زیادہ ذمہ دار ہے جبکہ غیر معمولی حالات کے پیشِ نظر مسلح افواج کو سول حکومت کی مدد کے لیے طلب کیا جاتا ہے۔

لفظ پولیس دراصل لاطینی لفظ Politia سے نکلا ہے جو شہریت، انتظامیہ اور سول نظامِ حکومت کے معنی رکھتا ہے۔ یہ لفظ یونانی لفظ Polis سے مشتق ہے جس کے معنی شہر کے ہیں[4]۔ یونان میں شہری ریاستوں کا نظام قائم تھا۔ پولیس کے اِدارے کے لیے شہر کے لفظ Polis سے اس کے نام کا اشتقاق اس ادارے کی شہری ریاست میں اہمیت کا واضح ثبوت ہے۔ پولیس کی تعریف اِن الفاظ میں کی جاتی ہے :

---

(۱) ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، (۱۴۱۴ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت. ج:۱۳، ص:۲۱

(۲) راغب اصفہانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد، (۱۴۱۲ھ)، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم الدار الشامیۃ، بیروت۔ لبنان۔ ج:۱، ص:۹۰

(۳) سورۃ القریش، ۱۰٦ / ۴

(4) https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/police accessed on 7th May 2020 at 1434 hrs

"The official organization that is responsible for protecting people and property, making people obey the law, finding out and solving crime, and catching people who have committed a crime" [1]

"پولیس ایک ایسی سرکاری تنظیم ہے جو شہریوں اور ان کے مال کی حفاظت کی ذمہ دار ہے جو لوگوں کو قانون کی تعمیل کروانے کی، جرائم کا سراغ لگانے اور ان کو حل کرنے کی اور ان لوگوں کو گرفتار کرنے کی پابند ہے جنہوں نے جرائم کا ارتکاب کیا ہو"۔

۱۸۲۹ کا لندن میٹروپولیٹن ایکٹ جس کا محرک سر رابرٹ پیل تھا موجودہ زمانے کی پولیس کا سنگِ میل گردانا جاتا ہے[۲]۔

عہدِ اسلامی میں پولیس کے لیے 'شرطہ' کا لفظ استعمال کیا گیا۔ زمخشری نے 'شرطہ' کی اصطلاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''والشرطة: نخبة الْجَيْش الَّتِي تشهد الْوَاقِعَة......''[۳]

''شرطہ وہ منتخب کیے گئے جانباز ہیں جو یہ شرط باندھ لیں کہ وہ شہادت سے سرفراز ہوں گے''

قسطلانی کے الفاظ میں:''قيل هم أول طائفة تتقدم الجيش''[۴]

''وہ ہراول دستے کے فرائض انجام دیتے ہیں اور لشکر کے آگے آگے چلتے ہیں''

دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق شرطہ سے مراد وہ جماعت ہے جس کے ذمہ نظم و نسق اور حفاظتِ عامہ کا کام ہے[۵]۔

---

(1) Liddell, Henry George, Robert Scott, A Greek-English Lexicon on Perseus Library at www.perseus.tufts.edu/ hopper/text on 8th May 2020 at 1820 hrs

(2) 'Police' Everyman Encyclopedia, J M Dent & Sons, London 1978 Vol.9 p645

(۳) زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، (۱۳۹۹ھ)، الفائق فی غریب الحدیث، دار المعرفہ، بیروت۔ لبنان۔ حروف الشین، ج۲ ص۲۳۸

(۴) قسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر، (۱۳۲۳)، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ۔ مصر۔ ج:۱، ص:۲۲۷، رقم:۱۵۵۷

(۵) 'شرطہ' دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، ج۱۱، ص۶۷۲

عہدِ حاضر میں پولیس ایک ایسا آئینی ادارہ ہے جو ریاست کی طرف سے قانون نافذ کرنے، شہریوں کے جان و مال اور عزت کے تحفظ کو یقینی بنانے، جرائم کی روک تھام کرنے، تفتیشی عمل کے ذریعے مجرموں کی سرکوبی کرنے اور بدامنی کے تدارک وخاتمہ کے لیے قائم کیا جاتا ہے[۱]۔

اگرچہ پولیس کے فرائض میں متنوع حالات میں مختلف ذمہ داریاں شامل ہیں لیکن اس کی اہم ترین ذمہ داریوں کا تعلق امن وامان کے قیام سے ہے[۲]۔

پاکستان کے پولیس آرڈر ۲۰۰۲ء کے آرٹیکل ۴ کے تحت جن فرائض کی انجام دہی کا پولیس کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے ان میں شہریوں کے جان ومال اور آزادی کا تحفظ، قیام امن اور اس کا برقرار رکھنا، جرائم اور بدامنی کا تدارک، شہریوں کے حقوق کی پاسداری اور جرائم کی روک تھام اور تفتیش بہ طور خاص قابلِ ذکر ہیں[۳]۔

جہاں تک فوج کا تعلق ہے تو فوج ایک ایسا ادارہ ہے جسے نہایت پیشہ ورانہ بنیادوں پر منظم کیا جاتا ہے اور بہترین اسلحہ سے لیس کیا جاتا ہے۔ اس ادارے کا کام بیرونی جارحیت کا مقابلہ اور سرحدوں کا دفاع ہے۔ مسلح افواج میں بری، بحری، فضائی افواج شامل ہیں۔ انگریزی لفظ ملٹری (Military) در اصل لاطینی لفظ Militaris سے مشتق ہے جس کے معنی سپاہی کے ہیں[۴]۔

فوجی طاقت ریاستی قوت کا اولین مظہر تھی۔ وہی ریاست مضبوط سمجھی جاتی تھی جس کی عسکری طاقت بالاتر ہوتی تھی۔ Caforio کے الفاظ میں:

"Humans' first tools are weapons and the first authority established in the group is that of a military chief"[5]

"انسانوں نے جو اوزار سب سے پہلے استعمال کئے وہ ہتھیار ہیں اور گروہِ انسانی میں جس مقتدرہ نے سب سے پہلے قدم جمائے وہ فوجی سردار کی شخصیت ہے"

---

(1) Police Studies Institute, The role and Responsibilities of Police, London, 1996 p xii

(2) Neocleous Mark, Fabricating Social order: A Critical History of Police Power, Pluto Press, 2004, p93-94

(۳) پولیس آرڈر ۲۰۰۲: ایک تعارف، مرکز برائے امن وترقیاتی اقدامات (CPDI–Pakistan)، آرٹیکل ۴

(4) Tucker, T.G. Etimological Dictionary of Latin, Ares Publishers Inc. Chicago, 1985 p156

(5) Giuseppe Caforio, A Handbook of the Sociology of the Military, Springer, Boston 2006 p8

عہدِ حاضر میں بھی عسکری طاقت سے ہی کسی ملک کی عظمت و تفوق کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور یہی طاقت ریاست کے معاشی و سماجی اور سیاسی و داخلی استحکام کا ایک اہم اور موثر ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔

مسلح افواج کا اِدارہ بیرونی جارحیت سے دفاع کے فرائض انجام دیتا ہے لیکن خانہ جنگی، دہشت گردی اور تخریب کاری جیسے غیر معمولی حالات میں آئینی طور پر اسے داخلی امن و امان کی ذمہ داریاں بھی سونپ دی جاتی ہیں۔

داخلی امن و امان ہر زمانے میں کسی بھی ریاست کے لیے سب سے اوّلین ذمہ داری رہی ہے لیکن موجودہ زمانے میں جبکہ روایتی جنگوں کی جگہ غیر روایتی حربی و تزویراتی حکمت عملی نے لے لی ہے۔ دہشت گردی، تخریب کاری اور ففتھ جنریشن وار فیئر کے حربے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ مخابراتی آویزش کا کردار بہت اہم ہوتا جا رہا ہے۔ ان مشکل حالات میں تحفظاتی اداروں کی اہمیت، افادیت، کارکردگی اور استعدادِ کار نے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی ہے۔

ریاست کا مقصدِ وجود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں زمین پر اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وجودِ ریاست کے جواز کی اصل بنیاد ہیں۔ ایک مثالی ریاست کے فرائض اور ذمہ داریوں کے لیے قرآن ہی سب سے اہم ذریعہ رہنمائی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کے الفاظ میں: ''مسلمانوں کے لیے اصل سند اور حجّت قرآن پاک ہے۔ جو چیز قرآن کے خلاف ہے وہ ہرگز قابلِ اتباع نہیں''۔(۲)

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ﴾(۳)

"جو تم لوگوں پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسروں کی پیروی نہ کرو"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الحج، ۲۲/۴۱

(۲) مودودی، ابوالاعلیٰ، (۱۹۹۷ء)، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۲۷۱-۲۷۲

(۳) سورۃ الاعراف، ۷/۳

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ○ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ○ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ○﴾(۱)

"جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں○ وہی لوگ ظالم ہیں○ وہی لوگ فاسق ہیں"۔

ان آیات کا حوالہ دے کر سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں " قرآن مجید اسلامی تصّور ریاست کا سب سے پہلا ماخذ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین ہیں۔ یہ احکام و فرامین انسان کی پوری زندگی کے معاملات پر حاوی ہیں "(۲)۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک تدبیرِ منزل سے لے کر سیاست مدن تک قرآن ہمارے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے(۳)۔ عبد القادر عودہ شہید کے مطابق قرآنی احکام دو انواع کے ہیں ایک وہ جو عقائد اور عبادات سے متعلقہ ہیں اور دوسرے وہ جو نظامِ حکومت اور نظمِ ملت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں دستوری اور انتظامی مسائل شامل ہیں(۴)۔

ہمیں قرآن حکیم میں تحفظاتی اداروں کے لیے وہ رہنما درخشاں اصول بڑی وضاحت سے ملتے ہیں جن کی روشنی میں ریاست کے داخلی امن و استحکام کو نہ صرف قائم اور برقرار رکھا جاسکتا ہے بلکہ اس کے فروغ و استحکام سے دیگر معاشی و معاشرتی سرگرمیوں میں ترقی اور افزائش کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ روحانی بالیدگی اور طمانیت کا سامان بھی فراہم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اسلام کے نظام ریاست میں محض امن کا قیام، محض قومی سرحدوں کی حفاظت، محض عوام کا معیار زندگی بلند کرنا اس کا آخری اور انتہائی مقصد نہیں" بلکہ اپنے شہریوں میں خداخوفی، فکرِ آخرت اور فلاحِ اخروی کا احساس اجاگر کرنا اس کا مطمع نظر ہونا چاہیے۔(۵)

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں داخلی امن و استحکام کے حوالے سے ریاستی ذمہ داریوں اور خصوصاً تحفظاتی اداروں کے کردار کی رہنمائی کے لیے جامع اصول موجود ہیں اور واضح حکمتِ عملی بیان کردی گئی ہے۔ تفسیری توضیحات بالخصوص جو رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً روایات ہیں، کامل لائحہ عمل اور پالیسی گائیڈ لائن فراہم کرتی ہیں۔

---

(۱) سورۃ المائدہ، ۵/ ۴۴ - ۴۷

(۲) ابوالاعلی مودودی، اسلامی ریاست، ص:۲۷۱

(۳) شاہ ولی اللہ، (۲۰۰۴ء)، الفوز الکبیر اصول التفسیر، مکتبہ قرآنیات، لاہور۔ ص:۱۴

(۴) عودہ، عبد القادر، (۱۹۸۴ء)، اسلام کا فوجداری قانون، ترجمہ ساجد الرحمٰن کاندھلوی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۲۲۶

(۵) ابوالاعلی مودودی، اسلامی ریاست، ص:۳۳۵

ریاست کے دوسرے اداروں کی طرح تحفظاتی ادارے صرف اُن احکامات کی بجا آوری کی پابند ہے جو 'معروف' کی تعریف میں آتے ہیں اور جو قانونی و آئینی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ حکمرانوں میں اپنے اغراض و مقاصد کے لیے ان اداروں کو غیر قانونی اور غیر آئینی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اس لیے یہ رہنما اصول کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ سورۃ ممتحنہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾[۱]

"اور وہ معروف کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی"۔

یہاں معروف سے مراد وہ امور و احکام ہیں جو نہ صرف قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہوں بلکہ قانونی اور آئینی حیثیت بھی رکھتے ہوں، خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والاصفات کے لیے صرف اطاعت فی المعروف کا حکم ہے تو دیگر افراد یا اداروں کے لیے تو اس حکم کی شدت اور بھی قوی تر ہے۔

قرطبی نے کلبی کی سند سے بیان کیا ہے کہ لفظ معروف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے تمام احکام و فرامین کا احاطہ کرتا ہے[۲]۔

رسول اللہ ﷺ نے نہایت صراحت سے قرآن کے اصول کی وضاحت درج ذیل روایت میں فرمائی ہے:

''السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى المَرْءِ المُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلاَ سَمْعَ وَلاَ طَاعَةَ''[۳]

''ہر مسلمان پر سمع و طاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک اُسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب اُسے معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع و طاعت لازم نہیں رہتے''

آپ ﷺ سے مزید منقول ہے:

''لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ''[۴]

---

(۱) سورۃ الممتحنہ، ۶۰/ ۱۲

(۲) قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، (۲۰۱۲ء)، الجامع الاحکام القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۳۸۴

(۳) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔ ۶/ ۲۶۱۲، رقم: ۶۷۲۵

(۴) مسلم، ابو الحسین مسلم ابن الحجاج، (س۔ن)، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی۔ ۳/ ۱۴۶۹، رقم: ۱۸۴۰

''اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو صرف معروف میں ہے''

تحفظاتی ادارے چونکہ منظم ادارے ہوتے ہیں، نظم و ضبط کی پاسداری کرتے ہیں اور حکام بالا کے احکام کی تعمیل بجالاتے ہیں، اس لیے عہد حاضر میں دنیا بھر کے آئین اور قوانین اصولی اعتبار سے اس قاعدے کو عالمگیر اصول کے درجے میں مانتے ہیں کہ افراد اور اداروں پر صرف قانونی احکامات کی تعمیل لازم ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں ایک سے زائد مرتبہ اپنے فیصلوں میں اسی اصول کو بیان کر چکی ہیں کہ اِن اداروں کے لیے صرف انہی احکامات کی تعمیل لازم ہے جو قانون اور آئین کے مطابق ہوں۔ اگر قرآن کے اس اصول کو اپنا لیا جائے تو سیاسی مداخلت اور انتظامی دراندازیوں سے قانون نافذ کرنے والے تحفظاتی اداروں کو کاملاً محفوظ بنایا جاسکتا ہے۔

لفظ معروف اُن تمام امور پر حاوی ہے جو فطرت، عقل اور دین کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ جبکہ منکر اس کی ضد ہے۔ ریاست کے تناظر میں معروف کو آئینی اور قانونی طور پر نافذ کرنا دین متین کا تقاضا ہے جبکہ منکر کا بزورِ قوت انسداد و تدارک لازم ٹھہرتا ہے۔

سورۃ الحج کی آیت ذیل میں یہی اصول بیان کیا گیا ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں زمین پر اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں''

اس آیت مبارکہ کی وضاحت ہمیں ارشادِ نبویؐ میں ملتی ہے۔

''مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ''(۲)

(۱) سورۃ الحج، ۲۲/۴۱

(۲) مسلم، الصحیح، ۱/۶۹، رقم: ۴۹

''تم میں سے کوئی منکر کام دیکھے تو اسے اپنے زورِ بازو سے اسے بدل کر رکھ دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے (ایسا کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

قوموں کی بربادی کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ منکرات سے نہ تو ریاستی سطح پر روکا جاتا ہے اور نہ انفرادی سطح پر ان کے تدارک واستیلاء کی ذمہ داری کو محسوس کیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کے زوال ونکبت کی وجہ بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾(۱)

"وہ منکر امور سے جن میں وہ مبتلا تھے ان کو روکا نہیں کرتے تھے"۔

امن وامان کا قیام، جرائم کا خاتمہ اور شہریوں کے حقوق کا تحفظ ریاست کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ منکرات اور جرائم کی بہ زورِ بازو بیخ کنی ہی امن واستحکام کے قیام وبقاء کی موثر ترین صورت ہے۔ ایک منظم ریاستی ڈھانچے میں یہ ذمہ داری انفرادی سطح پر ادا نہیں کی جاتی بلکہ ایک موثر قوتِ نافذہ کے ذریعے اس کی تنفیذ کو عمل میں لایا جاتا ہے۔ تحفظاتی ادارے ہی وہ منظم ریاستی مشینری تشکیل دیتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بزورِ طاقت انجام دیتی ہے۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے الفاظ میں "ہاتھ سے روکنے سے مراد اگر بزورِ طاقت روکنا ہی مراد لیا جائے تو اس سے مراد قوتِ نافذہ یعنی حکومت اور حکومتی ادارے ہوں گے کیونکہ معاشرے سے برائی، ظلم اور ناانصافی کو ختم کرنا اور اچھائی اور عدل وانصاف کو رائج کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہی اس کے قیام کا جواز بھی ہے(۲)۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی طرف سے تیار کردہ بیانیہ "پیغامِ پاکستان" جس پر ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء اور مذہبی رہنماؤں کی تائید وتوثیق موجود ہے اس اہم پہلو پر خصوصیت سے روشنی ڈالتا ہے۔ امر بالمعروف کے عنوان سے قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا رجحان کے عنوان کے تحت مرقوم ہے

---

(۱) سورۃ المائدۃ، ۵/ ۷۹

(۲) طاہر القادری، الدکتور، (۲۰۱۰ء)، دہشت گردی اور فتنہ خوارج، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ ص: ۵۶۱

"اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا منہج طے کر دیا ہے کہ برائی کو تبدیل کرنے کے لیے قانون کے مطابق قوت کا استعمال صرف با اختیار ریاستی اداروں کا حق ہے اور کسی شخص کو اس ضمن میں قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں"(۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرف و عزت عطا فرمایا ہے اور اس کی جان، مال اور عزت و آبرو کو حرمت عطا کی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾(۲)

"بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو تکریم عطا کی ہے"۔

تحفظاتی اداروں کی اہم ترین ذمہ داری بلکہ اصلِ اصول جس پر اس ادارے کا قیام منحصر ہے انسانی حقوق کا تحفظ ہے۔ اسی غرض سے یہ ادارے قائم کئے جاتے ہیں اور یہی اہم ترین ریاستی فریضہ ہے۔ انسانی جان کا تحفظ سب سے زیادہ مقدم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾(۳)

"جس نے کسی شخص کو قتل کیا بغیر اس کے کہ وہ قصاصِ قتل کا معاملہ تھا یا زمین پر فساد کے بغیر تو گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی ایک شخص کو زندہ رکھا تو گویا اس نے سارے انسانوں کو زندہ رکھا"۔

تحفظاتی اداروں خصوصاً پولیس کے لیے سب سے اہم ذمہ داری قتل، ارادہ قتل اور ضرر کے معاملات میں روک تھام کے اقدامات اور وقوعہ ہونے کے بعد تفتیش کے عمل کے ذریعے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔ اگر پولیس کا ادارہ انسدادی کارروائی(Preventive action) کے مرحلہ پر اور ارتکاب جرم کے بعد تفتیش (Investigation) کے مرحلہ پر اس قرآنی حکم کو پیش نظر رکھے کہ یہ صرف ایک فرد نہیں بلکہ پوری انسانیت کا معاملہ ہے تو یقیناً وہ کسی تساہل یا بدنیتی کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

---

(۱) پیغام پاکستان،(۲۰۱۸ء)، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔ ص:۲۵

(۲) سورۃ بنی اسرائیل،۱۷/۷۰

(۳) سورۃ المائدۃ،۵/۳۲

امین احسن اصلاحی سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ﴾[1]" کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "اگر قصاص قصاص کا معاملہ قابلِ راضی نامہ ہے تو یہ کہنا کہ تم پر قصاص لینا فرض کیا گیا ہے کیا معنی رکھتا ہے"

ان کے نزدیک قصاص کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ کیونکہ ایسا قاتل شخص ایک مقتول ہی کا نہیں بلکہ سب کا قاتل ہے۔ پھر وہ سورۃ مائدہ کی محولہ بالا آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ قاتل دراصل تحفظِ جان کے اس قانون کو ہدم کرتا ہے[2]۔

زندگی کے بعد کسی بھی شخص کے لیے اُس کا مال اور اس کی جائیداد اہمیت کے حامل ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾[3]

"وہ مرد اور عورت جن پر چوری ثابت ہو جائے ان دونوں کے ہاتھ قطع کر دو"۔

چوری، ڈکیتی کے علاوہ دھوکہ دہی، خیانت یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لینا اِسی جرم کی مختلف صورتیں ہیں۔ رشوت اور مالی بدعنوانی بھی انسان کے حقِ مال کو غصب کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[4]

"آپس میں ایک دوسرے کے اموال کو ناجائز نہ کھاؤ اور نہ ہی اِن کو اس غرض سے حکام تک پہنچاؤ کہ لوگوں کے اموال کا ایک حصہ ناحق کھاؤ، دیدہ دانستہ طور پر"

تحفظاتی اداروں پر لازم ہے کہ شہریوں کے مال و دولت کی حفاظت کریں۔ ریاستی قوانین قرآن و سنت کی رہنمائی میں غصب مال اور سرقہ کی مختلف صورتیں اور ان کی سزائیں بیان کرتے ہیں۔ پولیس اپنے نظامِ گشت سے اور مشتبہ عناصر پر کڑی نظر کے ذریعے اِن جرائم کا انسداد کرتی ہے۔ ارتکابِ جرم کی صورت میں ملزموں کو گرفتار کرتی

---

(1) سورۃ البقرۃ، ۲/۱۷۸

(2) اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ج۱، ص۱۵۷

(3) سورۃ المائدۃ، ۵/۳۸

(4) سورۃ البقرۃ، ۲/۱۸۸

ہے اور غصب شدہ یا سرقہ شدہ اموال کو برآمد کرتی ہے۔ وفاقی تحقیقاتی ادارے مالیاتی جرائم کو بے نقاب کر کے قومی سطح پر بااثر مجرموں سے خیانت ورشوت کے ذریعے کمائی گئی دولت قومی خزانے میں واپس لاتے ہیں۔

قرآن حکیم نے انسان کو تکریم کا حامل بتایا ہے۔ پاکیزگیٔ نفس کا تحفظِ عزت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ سورۂ نور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾(۱)

''وہ عورت اور وہ مرد جن پر زنا کا جرم ثابت ہو چکا ہو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے''

دراصل عزت کا تحفظ معاشرے میں استحکام کا سبب اور عزت کی پامالی انتشار و فساد کا موجب ہے۔

امین احسن اصلاحی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:'' معاشرے کے انتشار و فساد میں سب سے زیادہ دخل زنا کو ہے۔ اس لیے معاشرے کے استحکام کا انحصار رحمی رشتہ کی پاکیزگی اور اس کے ہر قسم کے اختلال و فساد سے محفوظ رہنے پر ہے۔(۲)

اسی لیے قرآن مجید میں اِسی آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ﴾(۳)

''اور اللہ کے دین کے نافذ کرنے میں تمہیں ان دونوں کے بارے میں کوئی نرمی دامن گیر نہیں ہونی چاہیے۔''

رسول ﷺ کا ارشاد ہے

''فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ''(۴)

''پس بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام قرار دے دی گئی ہیں''

دراصل یہ سختی اس لیے ہے کہ معاشرے میں بڑے بگاڑ سے بچا جاسکے۔ قرآن حکیم میں فرمایا۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّه كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾(۱)

---

(۱) سورۃالنور،۲۴/۲

(۲) اصلاحی، امین احسن، (س۔ن)، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان۔ ج:۵ ص:۳۶۲۔۳۶۱

(۳) سورۃالنور،۲۴/۲

(۴) بخاری، الصحیح، ۱/۵۲، رقم:۱۰۵

''اور زنا کے قریب بھی نہ جاؤ بے شک یہ فحش کاموں میں سے ہے اور بُراراستہ ہے۔''

ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف زنا کا سدِ باب کرے بلکہ اُن تمام سرگرمیوں کے تدارک کی بھی کاوش کرے جن سے زنا اور پامالی عزّت کی دوسری صورتیں تحریک پاتی ہیں۔ پولیس فواحش کے ذرائع کو بھی متعلقہ قانونی دفعات کے تحت قانون کی گرفت میں لانے کی پابند ہے۔

معاشرے میں امن و امان کا قیام تحفظاتی اداروں کی بنیادی نوعیت کی نہایت اہم ذمہ داری ہے کیونکہ قرآن حکیم فساد فی الارض کی شدید مذمت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾(۲)

''زمین پر فساد برپا کرنے کی دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

سورۃ البقرۃ میں فرمانِ خداوندی ہے:

﴿وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾(۳)

''اور فتنہ تو قتل سے بھی سخت تر ہے۔''

کسی ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاشرے میں قتل و غارت، خوں ریزی، دہشت گردی، فتنہ و فساد، ہلاکت آفرینی اور نسل کُشی کس درجہ بھیانک جرائم ہیں۔

قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾(۴)

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷/۳۲

(۲) سورۃ المائدہ، ۵/۶۴

(۳) سورۃ البقرۃ، ۲/۱۹۱

(۴) سورۃ المائدہ، ۵ : ۳۳

"ان لوگوں کا بدلہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ آزما ہوں اور فساد فی الارض کی کوشش کریں یہی ہے کہ اُنہیں قتل کر دیا جائے یا مصلوب کر دیا جائے یا مخالف سمت میں اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلا وطن کر دیا جائے"

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں رقم طراز ہیں کہ:"اس مسئلہ پر بھی اتفاق ہے کہ جو کھل کر ہتھیار اُٹھا لے اور جو شہر سے باہر نکل کر ڈرانے کے لیے ہتھیار نکالے وہ محارب اور راہزن ہے" آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:"ابن ہمام نے لکھا ہے رہزنی کا لفظ تو لوگوں کا ساختہ پر داختہ ہے بلکہ اس سزا کا تعلق اللہ کے بندوں سے جنگ کرنے کے ساتھ ہے۔[۱]

فساد فی الارض کی تعریف میں قاضی صاحب کے نزدیک حربی کافروں کا فساد، رہزنوں کی رہزنی اور زنا وغیرہ داخل ہیں[۲]۔

مفتی شبیر احمد عثمانی کے نزدیک:"بدامنی کرنے سے اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شانِ نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی وہ بھی اس کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے" اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنا" یا "زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا" یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل، مجرمانہ سازشیں اور پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں"[۳]۔

ایک رائے کے مطابق اس تناظر میں یہ آیت اصلاً مسلمانوں سے متعلق شریعت کے ضابطہ حدود و تعزیرات کی ایک شِق کے طور پر نہیں بلکہ ریاست کے داخلی و خارجی دشمنوں سے نمٹنے کے ایک عمومی قانون کے طور پر نازل ہوئی تھی[۴]۔

عہدِ حاضر میں اندرونی امن و استحکام کو بہت سے خطرات در پیش ہیں جن میں غیر روایتی جنگیں، دہشت گردی اور تخریب کاری سب سے زیادہ خطرناک ہیں۔ تحفظاتی اداروں کو اِن خطرات سے نبرد آزما ہو کر قانون و آئین کے مطابق قیامِ امن کے لیے کوششیں کرنا پڑتی ہیں۔ قرآن حکیم اس سلسلے میں کامل رہنمائی مہیا کرتا ہے کہ کس طرح

---

[۱] پانی پتی، ثناء اللہ، (۱۹۹۹ء)، تفسیر مظہری، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان۔ج:۳،ص:۲۹۸

[۲] ایضاً، ص۲۹۵

[۳] عثمانی، شبیر احمد، (۲۰۰۷ء)، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان۔ج:۱،ص:۵۲۵

[4] Ammar Nasir at www.javedghamidi.com/index.php/authors/view/ammarnasir/43 accessed on 11th May 2020 at 1520 hrs

قوانین کی سختی سے تنفیذ اور حقوقِ انسانی کی پاسداری میں توازن قائم رکھا جائے اور معاشرے کو بدامنی کی آفات سے محفوظ رکھا جاسکے۔

قرآن حکیم شریعت کے موزوں طریق کار اور عملداری (due process of law) کو اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ حق کے ساتھ اور معروف طریق پر امور کو سرانجام دینے کا حکم دراصل اس بات کا متقاضی ہے کہ سیدھا قانونی راستہ اختیار کیا جائے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾[۱]

"جس جان کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اُسے قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ"

قرآن حکیم میں 'بالمعروف' اور 'بالحق' کے الفاظ قانون کے موزوں طریق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اسلام شخصی آزادی کو یقینی بنانے پر زور دیتا ہے۔

حضرت عمر ؓ سے یہ قول منقول ہے

"لا یوسر رجل في الإسلام إلا بالعدل"[۲]

اسلام میں کسی شخص کو ناحق حراست میں نہیں لیا جائے گا"

سید ابوالاعلیٰ مودودی اس زریں قول کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "اس رُو سے عدل کا وہ تصور قائم ہوتا ہے جسے موجودہ اصطلاح میں باضابطہ عدالتی کارروائی (Judicial Process of Law) کہتے ہیں[۳]"۔

تحفظاتی اور قانون نافذ کرنے والے اِدارے خصوصاً پولیس اور فوج صوابدیدی اختیارات (discretionary powers) اور قوت کے استعمال (use of force) کے حامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ ریاست کے ہر ادارے کے لیے ایسے موزوں اہلکاروں کا انتخاب ضروری ہے جو نہ صرف معیار پر پورا اترتے ہوں بلکہ کردار اور سیرت کے لحاظ سے بھی قابل اعتماد ہوں۔ لیکن ان اداروں کے لیے تو احتیاط کا یہ معیار اور بھی کڑا ہونا چاہیے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا﴾[۱]

---

[۱] سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷/۳۳

[۲] مالک بن انس، (۲۰۰۴ء)، الموطأ، مؤسسہ زید بن سلطان۔ ابوذہبی۔ ج:۴، ص:۱۰۴۲، رقم:۲۶۶۲

[۳] ابوالاعلی مودودی، اسلامی ریاست، ص:۵۶۳

"بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو اہلِ امانت ہیں"

جلیل القدر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں امانت سے مراد سرکاری ذمہ داری لی ہے۔ تحفظاتی اداروں کے لیے جسمانی موزونیت کے ساتھ ساتھ سیرت و کردار کے وہ معیارات بھی ملحوظِ خاطر رکھے جانے چاہئیں جو قیام امن اور انسدادِ جرائم کے لیے قرآن حکیم کی روشنی میں طے کر دیئے گئے ہیں۔

الماوردی نے عہدِ خلافت میں ادارہ پولیس کی ذمہ داریوں اور اختیارات پر روشنی ڈالی ہے۔ "صرف نمایاں اور خاندانی نجابت کے حامل افراد کو صاحب الشرطہ مقرر کیا جاتا تھا۔ اس کی ایمانداری اور کردار کو خاص اہمیت دی جاتی تھی تبھی اُسے امن و امان کے قیام کے کامل اختیارات سونپے جاتے تھے تاکہ وہ جرائم کی روک تھام کرے اور قانون شکن عناصر اور شر پسند افراد کو حراست میں لے[۲]"۔

قرآن مجید نے ایک عالمگیر قانون بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ﴾[۳]

"اور حد سے تجاوز کرنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو"

سید ابو الاعلیٰ مودودی بیان کرتے ہیں کہ:" انتظامیہ وہی چیز ہے جس کے لیے قرآن میں 'اولوالامر' اور حدیث میں اُمراء کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن و حدیث دونوں میں ان کے لیے سمع و طاعت (obedience) کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ احکام خدا اور رسولؐ کے تابع رہیں"[۴]

قانون نافذ کرنے والے اِدارے ایک لحاظ سے سیاسی حکومت کے بازوئے شمشیر زن ہوتے ہیں۔ عاقبت نا اندیش اور ظالم حکمران اس طاقت کو اپنی ذاتی اغراض اور اقتدار کے لیے استعمال کرتے ہیں جبکہ انصاف پسند اور عادل حکمران اِسی طاقت کے ذریعے معاشرے میں امن و اصلاح کو فروغ دیتے ہیں۔ اگر قرآن کے عطا کردہ اصولوں کو اختیار کیا جائے اور آزاد عدلیہ حکمرانوں کے غیر قانونی احکامات پر نگرانی کا فریضہ بجا طور پر انجام دے تو تنفیذی اور تحفظاتی

---

(۱) سورۃ النساء، ۴ / ۵۸

(۲) الماوردی، علی بن محمد، (۱۹۸۵ء)، الاحکام السلطانیہ، مترجم: مولوی سیّد محمد ابراہیم، قانونی کتب خانہ۔ لاہور۔ ص: ۱۰۱-۱۰۲

(۳) سورۃ الشعراء، ۲۶ / ۱۵۱

(۴) مودودی، اسلامی ریاست، ص: ۳۲۵

اداروں کے لیے غیر قانونی احکام سے انکار یا مزاحمت معاشرے میں حقیقی معنوں میں عدل و انصاف اور امن و استحکام کا موجب بن سکتا ہے۔

قرآن مجید میں اُن لوگوں کے رویے پر گرفت کی گئی ہے جو ظلم و استبداد اور جور و تعدّی پر مبنی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

﴿وَ اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾(۱)

"وہ پیروی کرتے ہیں ہر سرکش اور ہٹ دھرم کی"

قرآن کا دوٹوک فیصلہ ہے:

﴿{وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ○الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ﴾(۲)

"اُن حد سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کریں جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"

کوئی بھی ایسی اطاعت یا کوئی بھی ایسا نظام تعمیلِ احکام جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہو رہی ہو کالعدم قرار پائیں گے اور قرآنی اصولوں پر مبنی کوئی بھی ریاست اپنے اداروں یا افراد کو ایسے کسی حکم کی اطاعت پر مجبور نہیں کر سکتی۔ یہ ایک ایسا سنہری اصول ہے جس سے شخصی اطاعت اور ذاتی تابعداری کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

کسی بھی شخص کو ملزم گردانا جا سکتا ہے اور اُس پر کڑے سے کڑا الزام عائد کیا جا سکتا ہے لیکن قصور وار ٹھہرانے کے لیے لازم ہے کہ ٹھوس اور ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کیے جائیں۔

قرآن مجید میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾(۳)

"اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ طور پر نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر رہ جاؤ۔"

---

(۱) سورۃ ہود، ۱۱ / ۵۹

(۲) سورۃ الشعراء، ۲۶ / ۱۵۱-۱۵۲

(۳) سورۃ الحجرات، ۴۹/ ۶

مفتی محمد شفیع کے مطابق یہ آیت کریمہ محض فاسق کی خبر کے بارے میں نہیں بلکہ ہر اُس خبر کے بارے میں ہے جو قرائن سے مشتبہ معلوم ہوتی ہو۔ وہ لکھتے ہیں: ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ اگرچہ فاسق نہ تھے مگر ان کی خبر قرائن قویہ کے اعتبار سے ناقابل قبول نظر آئی تو رسول ﷺ نے محض ان کی خبر پر کسی اقدام سے گریز کر کے خالد بن ولیدؓ کو تحقیقات پر مامور فرمایا[۱]۔

پولیس کی ذمہ داری ہے کہ وہ الزام اور صورتِ واقعہ کی خوب اچھی طرح تحقیق کر کے حقائق پر تفتیش کی بنیاد رکھے۔ کافی شہادتیں (Sufficient evidence) جمع کرے جو کہ چشم دید بھی ہو سکتی ہیں اور واقعاتی بھی۔ پھر اپنے نتائجِ تفتیش کو عدالت کے سامنے رکھے تاکہ وہ استغاثہ اور دفاع دونوں کے دلائل سن کر ان نتائجِ تفتیش کی روشنی میں فیصلہ صادر کر سکے۔

قرآن حکیم ایک زریں اصول عطا کرتا ہے۔

﴿اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾[۲]

"بہت زیادہ گمانوں سے پرہیز کرو۔ بلاشبہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"۔

علامہ محمد اسد رقم طراز ہیں:

"The subjection of citizens, other than previously convicted of felony, to secret police supervision would be entirely out of bounds in a truly Islamic State. Arrest on mere suspicion would be a breach of constitutional law"[3]

"بجز اس کے کہ وہ جھوٹی گواہی کے سزا یافتہ ہوں، شہریوں کو پولیس کی خفیہ نگرانی میں رکھنا ہر طرح سے ایک حقیقی اسلامی ریاست کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ محض شک کی بناء پر گرفتاری، آئین و قانون کی خلاف ورزی ہے"

---

[۱] محمد شفیع، (۲۰۰۸ء)، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن۔ کراچی۔ ج:۸، ص:۱۰۷

[۲] سورۃ الحجرات، ۴۹/۱۲

[3] Muhammad Asad, (1988), The Principles of State and Government in Islam, Dar Al-Andalus, Gibraltar. p:86

اسلام میں ہر شخص اس تحفظ کا حقدار ہے کہ بغیر ثبوت کے محض شک کی بناء پر اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ ریاست میں بعض استبدادی حکمران شبہ کے تحت کارروائی کے ذریعے اپنے مخالفین اور معاندین کو ریاستی جبر کا نشانہ بناسکتے ہیں۔

محمد اسد، سنن ابو داؤد کی روایت کا حوالہ دیتے ہیں:

''إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ''[1]

"حاکم جب لوگوں کے معاملات میں بدگمانی اور تہمت پر عمل کرے گا تو انہیں بگاڑ دے گا"

وہ مزید لکھتے ہیں:

"Imprisonment and internment without previous trial and conviction by a duly established court of law would clearly contravene the principle of the inviolability of the human person laid down so unequivocally in Quran and Sunnah"[2]

"سابقہ عدالتی کارروائی اور سزا کے بغیر جو ایک باقاعدہ قائم شدہ عدالت کی طرف سے ہو، قید و حراست واضح طور پر شخصِ انسانی کی حرمت کے اس اصول کے خلاف ہے جسے قطعی طور پر قرآن و سنت نے طے کر دیا ہے۔"

یہ امر لازم ہے کہ ٹھوس شہادت اور بین ثبوت کے بغیر اور عدالتی کارروائی کے بغیر جس میں ملزم کو دفاع کا پورا حق دیا جائے، محض شبہ کی بنیاد پر کسی کے خلاف کارروائی کرنا انصاف کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے اور اس رویہ سے بہت سے دوسرے معاشرتی وسیاسی مفسدات بھی جنم لیتے ہیں۔

تفتیش کے مراحل میں چشم دید شہادتوں اور موقع واردات سے دستیاب شواہد کے علاوہ قرائن کی شہادت کی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے۔ سورۂ یوسف میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کو گھناؤنے الزام سے بری الذمہ قرار دیا جاتا ہے تو قرائن کی شہادت یا واقعاتی شہادت (Circumstantial evidence) سے ہی آپؑ کی برأت ثابت کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم اس موقعہ پر ایک گواہ کی زبان سے قرائن کی شہادت کا ذکر کرتا ہے:

---

(۱) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، (۱۹۹۴ء)، السنن، تحقیق: شعیب الارنؤوط، دار الفکر، بیروت۔ ۴/ ۲۷۲، رقم: ۴۸۸۹

(2) Muhammad Asad, (1988), The Principles of State and Government in Islam, Dar Al-Andalus, Gibraltar. p:86

﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُه قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُه قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾(۱)

''اگر ان کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو عورت نے سچ کہا ہے اور وہ جھوٹے ہیں، اور اگر ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے، تو اس عورت نے جھوٹ بولا اور وہ سچے ہیں۔''

اس واقعاتی شہادت کی طرف توجہ دلانے پر معائنہ کیا گیا تو حضرت یوسفؑ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔

﴿ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَه قُدَّ مِنْ دُبُرٍ ﴾(۲)

''پھر جب عزیزِ مصر نے دیکھا تو ان کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔''

صاحبِ معارف القرآن اِن آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مقدمات اور خصومات کے فیصلوں میں قرائن اور علامات سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اتنی بات پر تو سب فقہا کا اتفاق ہے کہ معاملات کی حقیقت پہچاننے میں علامات اور قرائن سے ضرور کام لیا جائے جیسا کہ یہاں کیا گیا لیکن محض علامات و قرائن کو کافی ثبوت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا''(۳)

تحفظاتی اور تفتیشی اداروں پر لازم ہے کہ وہ تفتیش میں ہر طرح کی تائیدی شہادت (Supporting evidence) حاصل کریں۔ عینی شہادت (Ocular evidence) کے ساتھ ساتھ واقعاتی و قرائنی شہادت اور ماہرین کی رائے کو بھی شہادت کی کفایت (Sufficiency) کی بنیاد بنایا جائے۔

مولانا گوہر رحمٰن علامہ علاؤالدین طرابلسی حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں "قرائن و شواہد (واقعاتی شہادت) کی بناء پر فیصلہ کرنے میں کوئی اختلاف نہیں۔ متعدد مسائل میں قرائن پر عمل کرنے کی ایسی مثالیں موجود ہیں جن پر مذاہب اربعہ کے فقہا کا اتفاق ہے"(۴)

قانونی حلقوں میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ گواہ جھوٹ بول سکتے ہیں لیکن حالات و واقعات جھوٹ نہیں بولتے۔ دراصل تفتیش ایک مربوط نظام ترتیب دینے کا نام ہے جس میں کڑی سے کڑی ملتی ہے اور ہر مرحلہ اپنے منطقی نتیجے پر

(۱) سورۃ یوسف، ۱۲ /۲۶-۲۷

(۲) سورۃ یوسف، ۱۲/ ۲۸

(۳) محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ج:۵، ص:۵۷

(۴) گوہر رحمٰن، (۲۰۰۲ء)، اسلامی ریاست، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان۔ ص:۴۱۲

پہنچتا ہے۔ قرائن نتائجِ تفتیش تک رسائی میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ قرآن حکیم اسلامی ریاست کے شہریوں پر لازم قرار دیتا ہے کہ وہ شہادت کے لیے سامنے آئیں اور گواہی کو نہ چھپائیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا﴾(۱)

"اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔"

اس سے اگلی آیت میں فرمایا گیا:

﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّه اٰثِمٌ قَلْبُه﴾(۲)

"اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو اسے چھپاتا ہے پس بے شک اس کا دل گناہ گار ہوتا ہے۔"

تحفظاتی و تفتیشی اداروں کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ تفتیش کا عمل مکمل ہونے پر جب مقدمہ عدالت کے روبرو پیش کرتے ہیں تو تفتیشی افسر بطور گواہ پیش ہوتا ہے۔

تفسیر درِ منثور میں ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گواہی کے لیے بلایا جائے تو گواہ کو انکار نہیں کرنا چاہیے جبکہ حسن اس کے قائل ہیں کہ اس میں دونوں امور جمع ہیں یعنی جب گواہ کے پاس شہادت موجود ہو تو انکار نہ کرے اور یہ کہ جب گواہی کے لیے بلایا جائے تو انکار نہ کرے(۳)۔ قرآن مجید نے ایک طرف گواہ پر لازم ٹھہرایا ہے کہ وہ کتمانِ شہادت نہیں کرے گا تو دوسری طرف پورے معاشرے اور نظامِ انصاف کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ گواہ کو اذیت، تکلیف، نقصان یا دھمکی سے ہراساں نہیں کیا جائے گا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے۔

﴿وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾(۴)

"اور کتابت کرنے والے اور گواہ کو ضرر نہ پہنچاؤ اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہاری نافرمانی پر مبنی عمل ہو گا، اور اللہ سے ڈرو وہ تمہیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے"

---

(۱) سورۃ البقرۃ، ۲ /۲۸۲

(۲) سورۃ البقرۃ، ۲ /۲۸۳

(۳) السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، (۲۰۰۶ء)، الدر المنثور، اردو ترجمہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ ص:۹۴-۹۵

(۴) البقرۃ، ۲ :۲۸۲

قرآن مجید نے گواہوں کے تحفظ (Witness Protection) کا بنیادی اصول طے کر دیا ہے۔ جہاں گواہ پر لازم ہے کہ وہ شہادت نہ چھپائے وہاں ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ گواہ کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ گواہ کے تحفظ کا بار تحفظاتی و تفتیشی اداروں پر ہے کیونکہ وہی تفتیش کے عمل میں گواہوں کی شہادتیں ریکارڈ کرتے ہیں اور پھر اُنہیں عدالت کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ بہت سے اہم مقدمات میں صرف اس وجہ سے ملزمان کو بریت مل جاتی ہے کہ گواہ شہادت کے لیے سامنے نہیں آتے یا اپنی گواہی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ ریاستی تحفظ کے بغیر عام شہریوں کے لے خطرناک مجرموں کے خلاف گواہی دینا نہایت دشوار امر ہے۔

حاصلِ کلام

داخلی امن و استحکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کی موجودگی سے معاشی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی فلاح و ترقی کو فروغ ملتا ہے۔ ریاست کی اولین ذمہ داری امن و امان کا قیام اور اس کا استقرار ہے۔ دراصل یہی وجودِ ریاست کا جواز اور غایت اولیٰ ہے۔ ریاست کے مختلف اعضا اور ادارے اس مقصود و منتہا کے لیے کام کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے تحفظاتی ادارے ریاست کے سب اداروں میں سے اہم ترین ہیں کیونکہ یہ براہِ راست انسدادِ جرائم، تفتیش، مجرموں کی سرکوبی اور بدامنی کی تمام صورتوں کے تدارک کا ذمہ دار ہوتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں سیکیورٹی اور امن کو درپیش چیلنج تحفظاتی اداروں خصوصاً ادارہ پولیس کی اس اہمیت کو دوچند کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم جہاں ہر شعبہ حیات کے بارے میں مکمل رہنمائی پیش کرتا ہے وہاں ریاست اور حکمرانی کے بارے میں وہ زریں اصول عطا کرتا ہے جن کی تابناکی سے انفرادی و اجتماعی خوشحالی، فلاح اور امن و ترقی کے تمام راستے روشن ہو جاتے ہیں۔ ان اداروں کے لیے قرآن حکیم کے عطا کردہ اصول پیشہ وارانہ رہنمائی کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے تحفظ کا وہ ایمانی و اخلاقی جذبہ بھی بیدار و توانا کرتے ہیں جو انہیں سب سے بڑی معاشرتی خدمت یعنی قیام امن و امان کے بلند ترین منصب پر متمکن کر دیتے ہیں۔ قرآنی آیات میں تحفظاتی اداروں کے لیے رہنما اصول بھی موجود ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ اس کتاب ہدایت میں حکمت عملی کے وہ روشن خدوخال بھی ملتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ریاست کے داخلی امن و استحکام کو بہ طریقِ احسن یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر ومراجع

۱. القرآن الکریم

۲. احمد بن حنبل،(س۔ن)،المسند، مؤسسۃ قرطبہ، مصر۔

۳. اصلاحی، امین احسن،(س۔ن)، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان

۴. بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،(۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔

۵. پولیس آرڈر ۲۰۰۲: ایک تعارف، مرکز برائے امن وترقیاتی اقدامات(CPDI-Pakistan)، آرٹیکل ۴

۶. پیغام پاکستان،(۲۰۱۸ء)، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۷. پانی پتی، ثناء اللہ،(۱۹۹۹ء)، تفسیر مظہری، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان

۸. ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی،(س۔ن)، السنن، مطبعۃ مصطفی البابی۔

۹. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث،(۱۹۹۴ء). السنن، تحقیق: شعیب الارنؤوط، دار الفکر، بیروت۔

۱۰. دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب

۱۱. راغب اصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد ،(۱۴۱۲ھ)، المفردات فی غریب القرآن، دار القلم الدار الشامیۃ، بیروت۔لبنان

۱۲. زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر،(۱۳۹۹ھ)، الفائق فی غریب الحدیث، دار المعرفہ، بیروت۔لبنان۔ حروف الشین، ج۲ص۲۳۸

۱۳. سیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر،(۲۰۰۶ء)، الدر المنثور، اردو ترجمہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۴. شاہ ولی اللہ،(۲۰۰۴ء)، الفوز الکبیر اصول التفسیر، مکتبہ قرآنیات، لاہور

۱۵. طاہر القادری، الدکتور،(۲۰۱۰ء)، دہشت گردی اور فتنہ خوارج، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۶. عثمانی، شبیر احمد،(۲۰۰۷ء)، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت، کراچی، پاکستان

۱۷. عودہ، عبد القادر،(۱۹۸۴ء)، اسلام کا فوجداری قانون، ترجمہ ساجد الرحمٰن کاندھلوی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہو

۱۸. فارابی، ابونصر،(۱۹۰۶ء)، آراء اہل المدینہ الفاضلہ، دار المشرق، بیروت۔لبنان

۱۹. قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد،(۲۰۱۲ء)، الجامع الاحکام القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

٢٠. قسطلانی، احمد بن محمد بن ابی بکر، (١٣٢٣ھ)، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، المطبعۃ الکبری الأمیریۃ۔ مصر
٢١. گوہر رحمٰن، (٢٠٠٢ء)، اسلامی ریاست، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان
٢٢. مالک بن انس، (٢٠٠٤ء)، الموطأ، مؤسسہ زید بن سلطان۔ ابوذہبی
٢٣. الماوردی، علی بن محمد، (١٩٨٥ء)، الاحکام السلطانیہ، مترجم: مولوی سیّد محمد ابراہیم، قانونی کتب خانہ۔ لاہور
٢٤. محمد شفیع، (٢٠٠٨ء)، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن۔ کراچی
٢٥. مودودی، ابوالاعلیٰ، (١٩٩٧ء)، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور
٢٦. ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، (١٤١٤ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت
٢٧. نسائی، ابوعبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی، (س۔ن)، السنن، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب۔

28. Muhammad Asad, (1988), The Principles of State and Government in Islam, Dar Al-Andalus, Gibraltar
29. Neocleous Mark, (2004), Fabricating Social order: A Critical History of Police Power, Pluto Press.
30. Tucker, T.G, (1985), Etimological Dictionary of Latin, Ares Publishers Inc. Chicago.
31. Giuseppe Caforio, A Handbook of the Sociology of the Military, Springer, Boston 2006
32. Trevor C. Salmon, Mask F. Imber, Issues in International Relations, Taylor & Francis, Bingdom UK
33. https://www.britannica.com/topic/state-sovereign-political-entity accessed on 8th May 2020 1900 hrs
34. https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/police accessed on 7th May 2020 at 1434 hrs
35. Liddell, Henry George, Robert Scott, A Greek-English Lexicon on Perseus Library at
36. www.perseus.tufts.edu/ hopper/text on 8th May 2020 at 1820 hrs
37. www.javedghamidi.com/index.php/authors/view/ammarnasir/43
38. Police' Everyman Encyclopedia, J M Dent & Sons, London 1978 Vol.9

دورِ ”جدیدیت“ میں مغربی فکر و تہذیب

ایک ناقدانہ جائزہ

☆ ابوالحسن احمد

☆☆ ڈاکٹر فیض اللہ بغدادی

ABSTRACT

Western thinkers, in terms of the evolution of the human mind, have divided the Western Civilization into three periods historically. This article deals with the form and scope of Western Civilization and its thought in modernity, introducing Western religious, philosophical, scientific thoughts and the political system. In the West, Religion became a private matter due to the Secularism and other Philosophical thoughts like Humanism, Existentialism, Pragmatism, Utilitarianism, Empiricism and Positivism etc. During this time, movements such as Feminism dismantled the family system and the pursuit of selfish desires became commonplace and institutions of Western social order were also formed. Economic development in the West led to revolutions and the rise of military power led to the formation of Colonial Systems. Europe was embroiled in sectarian strife that perpetuated anti-Islamic sentiments, but the Jews took full advantage of Western modernity and with a wave of anti-Semitism, succeeded in swaying public opinion in favor of Zionism in the West. Western Nations took part in world wars for world domination, but the the Jews and US appear on victory stand.

Keywords: Anti-Semitism, Colonial Systems, Empiricism, Existentialism, Modernity, Philosophical, Feminism, Pragmatism, Religion, Secularism

مغرب اپنے شاندار دور کی ابتداء کو جدیدیت سے موسوم کرتا ہے جس کا باقاعدہ دورانیہ ۱۷۵۰ء تا ۱۹۵۰ء شمار ہوتا ہے۔ اس دور میں مادی پیداواری ذرائع میں انقلابی ترقی ہوئی، معاشرت میں زراعت کی بجائے سرمایہ داری کو فوقیت

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

ملی اور سماوی کتب کے شرعی قوانین کی جگہ لادینی قوانین کا نفاذ ہوا۔ مغربی تہذیب نے جدید دور میں اڑان بھری اور یورپ سے شمالی اور جنوبی امریکہ، آسٹریلیا اور باقی ممالک تک جا پہنچی۔ اس کی معاشی طاقت کسی بھی تہذیب سے بڑھ کر ہے اور اس نے سائنس وٹیکنالوجی کے نظام سے ترقی کی عادت اپنائی۔ اس میں شخصی آزادی ایک قیمتی ورثہ قرار دیا جاتا ہے جس کا مغربی منہ کولگا ہوا ذائقہ قدیم ثقافتوں سے مختلف ہے۔

چارلس جینکس اور دیگر مغربی مفکرین زمانی اعتبار سے سماجی ارتقاء کے تین ادوار قبل جدیدیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت شمار کرتے ہیں۔[1] ماقبل جدیدیت میں پاپائیت بطور دینی مقتدرہ چھائی رہی تاوقتیکہ نشاۃ ثانیۃ اور اصلاح دین کی تحریکیں انقلاب لائیں۔ جس کے نتیجے میں ۱۶۵۰ء کی دہائی سے ماقبل جدیدیت کی جگہ جدید ذہنیت غالب آگئی۔ ۱۹۵۰ء میں حالات پھر بدلے تو جدیدیت کو مابعد جدیدیت کے لیے میدان خالی کرنا پڑا۔

دورِ جدیدیت میں مغرب کے دینی افکار

مغربی فکر وتہذیب کی تمام تر ترقی تعلیم کے حصول سے شروع ہوئی جس میں بشریات نے دینیات پر وقعت پائی اور پھر اس کے نتیجے میں نئے نئے علوم وفنون کا پہیہ رواں دواں ہو گیا۔ علم کی حقیقی پیاس، فطرت کی تسخیر، افلاس، مرض اور جہالت پر قابو، سمجھ اور سیاست میں رائے عامہ کی وقعت مغربی تہذیب کے مثبت پہلو ہیں۔ لیکن لادینیت، جغرافیائی بنیاد پر قومیت، مغربی جمہوری نظام، دوہرا معیار، خود پسندی اور مادیت اس کے بظاہر چمکتے دمکتے لیکن منفی پہلو ہیں۔[۲]

مغربی ہمہ گیر ترقی کا ناقدانہ جائزہ بتاتا ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی میں دینی اصولوں کے مکمل رد سے طاغوتی صف بندی میں شمولیت اس کا بنیادی سبب ہے اور مغربی دینداری جدیدیت کی راہ میں اپنے طرزِ کہن کی وجہ سے مزاحم نہ رہ سکی۔ تمام مغربی افکار نے مل کر ایسی تہذیب روشناس کرائی جس کا بنیادی نکتہ دین بیزاری تھا۔ مغرب کے بیش تر فلسفی سوشلسٹ اور کیمونسٹ رہنماؤں کی طرح مادیت پرست کہلانا پسند کرتے ہیں۔[۳] مادیت پرستی مغربی معاشرے میں یوں رائج ہے کہ زندگی کی سب سے اہم قدر مادی کامیابی اور ترقی ہے۔

مغربی فکر میں انقلابی تبدیلیاں سیکولر نقطہ نظر کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں جیسے چارلس ڈارون (م ۱۸۸۲ء) کے نظریہ ارتقاء کی وسیع قبولیت کا مطلب خالقِ کائنات کے تصور کے خاتمہ سمجھا گیا لیکن تحریف کی عادی دینداری اسے مسیحی

([1]) Charles Jencks, Critcal Modernism, where is post-modernism going? Wiley Academy, Englad. Page: 110

(۲) محمد عثمان، پروفیسر، (۱۹۷۷ء)، فکر اسلامی کی تشکیل نو، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ ص ۱۵

(3) Lenin, Vladimir, (1947), Materialism and Empirio-Criticism: Critical Comments on a Reactionary Philosophy. Moscow. P:15

عقیدے میں ملاوٹ کر کے مغربی عالمی نظریہ میں شمولیت سے نہ روک سکی کیونکہ سائنس و عقل کے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے وہ زندگی کی ترقی میں ان کی وضاحت کو حرفِ آخر بننے سے نہ روک پائی تھی۔ جب کارل مارکس(۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۳ء) نے معاشرے کا اچھوتے انداز سے تجزیہ کر کے نیا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ کھڑا کیا تو خدا بیزار سرمایہ داروں کو اس معبودِ حقیقی کی یاد ستانے لگی۔

جدیدیت کی ابتدائی دینداری کے مسلکی تنازعات نے تقسیم گہری کر دی تھی۔ مغربی تہذیب کے خطے مغربی یورپ میں مسیحیت کے دو مخالف کیمپ بن گئے تھے۔ اصلاحی تحریک کی برپا کردہ تقسیم سے شمالی یورپ کے بیشتر حصے پروٹسٹنٹ ازم کی فتح کا گن گا رہے تھے جبکہ رومن کیتھولک چرچ کی گرفت جنوبی یورپ پر ابھی تک استوار تھی۔ اصلاح پسندوں کا انفرادی روحانیت پر اصرار ذاتی انتخاب کی طرف بڑھ گیا تھا جس کی کوکھ سے سیکولر معاشرے نے جنم لیا جو مغربی تہذیب کی نمایاں خصوصیت ہے۔

دورِ جدیدیت میں مغربی فرقہ وارانہ تنازعات

مغربی تہذیب بیرونی نظر سے یکجان دکھائی دیتی ہے لیکن دور جدیدیت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مغرب میں تہذیبی وثقافتی ہم آہنگی، دینی و مذہبی، قانونی، لسانی، انتظامی دستور کی یگانگت، زراعت اور زمینی ملکیت کے یکساں رواجات، وسیع پیمانوں پر باہمی روابط، قرابتداری اور خاص کر حکمرانوں کی باہمی رشتہ داری کے باوجود باہمی چپقلش کی حالت میں امن کا زمانہ ایک قاعدہ ہونے کی بجائے محض استثنیٰ تھا۔[1]

مغرب کی باہمی چپقلش کی کئی وجوہات میں سے مذہبی دبستانوں کی شدت پسندی اہم ترین تھی۔ سترہویں صدی میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے مابین وسیع علاقے میں بکثرت پر تشدد تنازعات ہوئے جنہوں نے یورپ کی عظیم بادشاہتوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی وجہ سے اس کو مزید پیچیدہ بنا دیا تھا۔ اس تنازعے کا اثر نوآبادیات میں مسیحی نشر واشاعت پر بھی پڑا۔

فرقہ وارانہ خلیج نے کئی دوسرے تعصبات کے ساتھ مل کر بدامنی میں اضافہ کیا جن کا دائرہ قومی سطح سے شروع ہو کر بین الممالک سطح تک پھیلتا چلا گیا جیسے ۱۶۱۸ء میں جرمن کیتھولک شہنشاہ کی پروٹسٹنٹ فرقے کے لوگوں کے خلاف کاروائیوں کی وجہ سے سیکنڈے نیوین ممالک کے خلاف تیس سالہ جنگ کی ابتداء ہوگئی جس میں سیاسی وجوہات سے

([1]) Charles Tilly, (1975),The Formation of National States in Western Europe, Princton University Press, Princton.p: 18

فرانس بھی کود گیا۔ ۱۶۴۸ء میں مغربی فالیا کے صلح نامے سے اس جنگ کا خاتمہ ہوا تو جرمنی کی ساڑھے تین سو ریاستیں خود مختار ہو گئیں۔[۱]

مغرب میں فرقہ وارانہ اور اقتدار کی جنگیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ دین و مذہب کو قصور وار ٹھہرانے والے دانشوروں نے لادینیت کے پروان چڑھنے پر بھی یہ منظر دیکھا۔ مذہبی آڑ میں بدامنی ختم ہوئی تو وجہ تنازعہ وطنیت اور اس سے جڑے دلکش حبِ وطن کے نظریے کے تحت بننے لگیں اور خاص طور پر انقلاب فرانس نے دینداری کے اختیارات لوگوں کو دے دیئے تو اس کے بعد سے ان جنگوں کا رخ اقوام کی باہمی چپقلش کی طرف پھر گیا۔[۲] ان جنگوں نے جنگ ہائے عظیم کا رخ اختیار کیا تو جدیدیت کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور یورپ نے اتحاد کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا۔

دورِ جدیدیت میں مغرب کے فلسفیانہ افکار

دورِ جدیدیت میں فلسفیانہ ترقی نے سابقہ فلسفے کو مات دے دی نیز اٹھارہویں صدی میں تحریکِ تنویر اور تحریکِ رومانیت نے وحی اور علم لدنی کے بغیر استقرائی اور استخراجی عقل سے مابعد الطبیعیات کی طرح انسان اور کائنات کی حقیقت کے متعلق مسائل حل کرنے کے دعوے سے مسیحیت کو شکست دے دی۔[۳] جدید دین بیزار فلسفے کے چند بنیادی اور متاثر کن نظریات مختصراً یوں ہیں۔

بشریات کو فوقیت دینے سے انسانی فرد کے نقطہ نظر، مفادات اور مرکزیت سے وابستگی، انسان پرستی (Humanism) کے نام سے ابھری جس میں انسانی وجود کی خود مختاری پر یقین رکھا گیا اور تب عقیدہ ٹھہرا کہ عقل، تشکیک اور سائنسی طریقہ کار ہی حقیقت کو دریافت کرنے اور انسانی برادری کی تشکیل کے لئے موزوں وسائل ہیں نیز یہ کہ اخلاقیات اور معاشرے کی بنیاد خود مختاری اور اخلاقی مساوات میں پائی جانی چاہیئے۔[۴]

موجودیت (Existentialism)، آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی پر اصرار اور اس زندگی پر خدائی اقتدار کے خاتمے سے تعبیر ہے۔ وجودیت انفرادی تشخص کا ناگزیر حق ہے جس میں فرد کی مخصوص ضروریات پر اصرار کیا جاتا ہے اور انہیں معاشرے کی ضروریات پر فوقیت دی جاتی ہے۔ سورن کیر کیارڈ (۱۸۱۳ء تا ۱۸۵۵ء) کو عام طور پر

---

(۱) شاستری، چندر شیکھر، (س۔ن)، ہٹلر اعظم، شرکت الامتیاز، لاہور۔ ص ۱۵

(2) Huntington, William P, (1997), The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order, Touchstone, New York. P:52

(۳) انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، (۲۰۰۲ء)، مغربی تہذیب، شیخ زائد اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، لاہور۔ ص ۴۹

(4) Concise Routledge Encyclopaedia of Philosophy, (1999), London: Routledge. P: 365

پہلا وجودی فلسفی سمجھا جاتا ہے جس نے تجویز پیش کی تھی کہ دین اور معاشرے کی بجائے ہر فرد زندگی کو معنی دینے، اس کو نیک جذبات اور خلوص نیت سے بسر کرنے یا اس کی سچائی کے بارے میں مکمل ذمہ دار ہے۔(۱)

امریکہ میں ایک صدی سے برپا انفرادیت بمقابلہ اجتماعیت کی بنیادی سیاسی کشمکش جاری ہے۔ فرد کی زندگی کا تعلق فرد سے ہے یا معاشرے سے؟ اب حکومت کی جانب سے عوام سے جمع کردہ رقم حقدار پروگراموں اور کارپوریٹ بیل آوٹ پیکج پر خرچ کرنے سے اس مسئلے پر وضاحت کی ضرورت بڑھ گئی ہے۔ امریکی بانی رہنماؤں نے ملک تشکیل دیتے ہوئے اپنے اعلامیے اور آئین سازی کرتے ہوئے فرد کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی تھی۔ انفرادیت کا نظریہ بتاتا ہے کہ فرد کی زندگی پر اس کا صوابدیدی حق ہے وہ جو چاہے فیصلہ کرے، اس پر عمل کرے اور اپنی کوشش کے ثمرات سمیٹے کیونکہ فرد خود مختار ہے۔(۲)

عملیت پسندی یا نتائجیت (Pragmatism) ایک فلسفیانہ تحریک ہے جس کے محرکین کا دعویٰ ہے کہ وہی نظریہ یا تجویز درست ہو سکتی ہے جو اطمینان بخش طریقے سے کام کرے اور اس کے معنی اس کو قبول کرنے کے عملی نتائج میں پائے جائیں۔ یہ نظریہ بتاتا ہے کہ علم نظری حد تک محدود رہنے کی بجائے اشیاء پر عملی طور پر استعمال کیا جانا چاہئے۔ ایک خیال واقعتاً تب ہی صحیح ہو سکتا ہے جب اس میں عملی استعداد ہو۔ پُر ذہانت کام صرف کھوج اور تلاش کرنے کی تحقیق نہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے آگاہی کا نام ہے۔(۳)

افادیت پسندی (Utilitarianism) نتائجیت کی ایک شکل ہے جس میں مفاد کے حاصل کنندہ میں اخلاقیات کی ایک عجیب روایت ہے جس کے مطابق برے مقصد سے صحیح کام سرانجام پانا ممکن ہے اور اگر کوئی خوشی اور غلطی کو فروغ دے تو اس کا یہ عمل صحیح ہے۔ یہ نظریہ فرد کو اس کے مفادات کا تعاقب سکھاتا ہے چاہے دوسروں کی قیمت پر بھی اور اپنی اخلاقیات کے مطابق کسی فعل کو اپنے من پسند نتائج کے حصول میں آزادانہ طور پر درست یا غلط قرار دیتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق سب سے زیادہ اخلاقی انتخاب وہ ہے جو سب سے زیادہ تعداد میں سب سے زیادہ اچھا پیدا کرے۔ یہ واحد اخلاقی فریم ورک ہے جو فوجی طاقت یا جنگ کا جواز پیش کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔(۴)

---

(1)Walter Lowrie, (1969), Kierkegaard's attack upon Christendom, Princeton. P:37
(2) Triandis, Harry, (1995),Individualism and Collectivism, Routledge, London, p:13
(3)Howard Mounce, (1995), The Two Pragmatisms, From Peirce to Rorty, Routledge Taylor and Francis Group, London.P:73
(4) Frey, R. G, (1985),Utility and Rights, Blackwell, Oxford,P:31

دورِ جدیدیت میں مغرب کے سائنسی افکار

سولہویں صدی کے بعد پرنٹنگ پریس اور مارکیٹ کی معیشت کی ضروریات نے خواندگی میں اضافے کی حوصلہ افزائی کی اور پھر سائنسی انقلاب نے مذہب کی گرفت کو کم کیا اور ایک نئے انداز سے سوچنے کی آمادگی کی حوصلہ افزائی کی۔ انیسویں صدی نے اپنے تکنیکی شعبدوں کے ذریعے دنیا کو ایک حیرت انگیز نشاۃ ثانیہ عطا کی ہے جسے انسانیت کے مسائل حل کرنے میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔[1] انسانی ہاتھوں سے ٹیلی گراف، بجلی، بھاپ، ریل روڈ اور دوسری ایجادات کو خدائی تخلیق کی تکمیل اور بہتری قرار دیا جاتا ہے۔[2] انسانی طور اطوار سے مشابہت دے کر خدا کے متعلق سمع وبصر، خندو حب، تدبیر وغضب جیسے تصورات بنالیے گئے ہیں۔ جن کی نسبت انسانی خوبیاں کامل نہیں۔ اشیاء کے ظہور سے خدا کے متعلق گفتگو کرنا فطری فلسفے کا کام ہے۔[3]

سترہویں صدی میں بلند پایہ سائنسدان نیوٹن نے مادیت کی بنیاد پر ایک جامع میکانی نظریہ حیات مکمل کیا اور انیسویں صدی میں ڈارون نے مقبول ومعروف نظریہ ارتقاء پیش کیا جس کا سائنسی مفروضہ تھا کہ قدیم زمانے کے عبوری دور میں انسان کے مورثِ اعلیٰ چار پایوں سے دو پایوں میں تبدیلی کے عمل کو قدرتی انتخاب یعنی جسم کے اعضاء کے کم یا زیادہ استعمال سے ورثہ میں حاصل کردہ اثرات سے مدد ملی ہوگی۔[4]

وحی الٰہی اور عقلِ انسانی کی بجائے حسی تجربے اور مشاہدے کی افادیت بڑھی جس سے حاصل ہونے والے علم کی فوقیت تجربیت (Empiricism) کہلائی۔ یہ نظریہ بتاتا ہے کہ حسی تجربہ ذریعہ علم ہے جو عقلی علمیات اور تشکیک سے لیس ہوکر الٰہیات اور بشریات کے عقائد میں سے ہے جس میں روایت کی بجائے تجرباتی ثبوت کے کردار کی اہمیت ہے تاہم روایت کو گذشتہ حسی تجربے سے تعلق کا استدلال کہا جا سکتا ہے۔ سائنس اور فلسفے کے اشتراک عمل سے ایک اور نظریہ متعارف ہوا جسے ایجابیت (Positivism) کہا گیا۔[5] مثبتیت کے فلسفیانہ نظام کی جڑیں سائنس اور ریاضی میں بہت عمیق ہیں۔ سائنسی پیشرفت اور مثبتیت پسندی حقیقت

---

(1) Theodor Herzl, (1956), The Jewish State: An Attempt at a Modern Solution of the Jewish Question, trans: Berl Yocker, N. Newman, Tel Aviv, P:36

(2) Bernhard Rieger, (2005), Technology and the Culture of Modernity in Britain and Germany, Cambridge University Press, Cambridge.P:76

(۳) آئزک نیوٹن، (۲۰۰۰ء)، ریاضیاتِ فطری فلسفہ، مترجم: خالد مسعود، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ص ۵۲۷

(۴) چارلس ڈارون، (۱۹۹۹ء)، توریثِ آدم، مترجم: پروفیسر خادم علی ہاشمی و دیگر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ ص ۳۷

(5) Stathis Psillos & Martin Curd, (2010), The Routledge companion to philosophy of science, Routledge, London.P:1, 129-38).

پسندی ہی ہے۔ اس عقیدے کے حامل معروضی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں۔مثبتیت پسندی تمام بیانات کو سچ، جھوٹا، اور بے معنی کی تین اقسام میں تقسیم کرتی ہے۔(۱)

دورِ جدیدیت میں مغربی نظامِ سیاست

جدیدیت کی ابتداء میں شاہی اختیارات مقدس تھے اور اس تقدیس نے یہ تصور راسخ کر دیا تھا کہ مطلق العنان اختیار کے بغیر نیکی کو پھیلایا اور برائی کو دبایا نہیں جا سکتا۔ اس سے حکمرانوں نے بڑے مزے اٹھائے کیونکہ سب کہتے تھے کہ بادشاہ کی طاقت ایسی ہونی چاہئے کہ کوئی بھی غلطی کر کے اس سے بچنے کی امید نہ کرے۔ لیکن اس کے برعکس بادشاہ کے اقتدار کے بارے میں یہی تصور تھا کہ اس پر کوئی حاکم نہیں جو اس کے غلط اقدامات کی اصلاح کرے۔ جب اسے معلوم ہو کہ اس نے برا کیا ہے تب ہی وہ خود کو درست کر سکتا ہے لیکن اس کے اختیارات اور اقدامات کے خلاف بعد میں کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔(۲)

جدیدیت نظامِ حکومت میں انقلابی تبدیلیاں لے کر آئی۔ بیشتر سیاسی نظریہ سازوں نے مطلق العنانیت کو شکست دی لیکن متبادل طرزِ حکومت نے سترہویں صدی کی مغربی سیاست کو پیچیدہ کر دیا جس کے اثرات اب تک برقرار ہیں۔ برطانیہ اور ہالینڈ نے پارلیمانی بادشاہی کا نظام تشکیل دیا جن میں کمزور مرکزی حکومتیں تھیں اور شاہی اقتدار پر قانون سازی کی توازن والی رکاوٹیں تھیں۔ جدید مغربی پارلیمنٹ میں تبدیلی سترہویں صدی میں شروع ہوئی تاہم جرمنی اور انگلینڈ کے اپنے مخصوص سیاسی نظام چند امتیازات کے ساتھ ۱۸۶۰ء کی دہائی تک سامنے آئے۔

شمالی امریکہ کی متعدد ریاستیں ۱۸۲۰ء کی دہائی تک جمہوری ہو گئی تھیں۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں پارلیمانی جمہوریت نے جرمنی اور اٹلی میں گرفت پکڑی لیکن مشرقی اور وسطی یورپ میں سوائے چیکوسلواکیہ کے ناکام رہی۔ جدیدیت میں امریکی اور فرانسیسی انقلابات نے حالات کا رخ بدل دیا اور رائے دہی میں بتدریج توسیع ہوتی چلی گئی۔ تب ابھرتے ہوئے متوسط اور مزدور طبقات نے اشرافیہ اور بادشاہت کے سیاسی اقتدار میں اپنا حصہ وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ حق رائے دہی کی ابتداء محدود طبقے سے ہوئی تھی اور ابتدائی ووٹر زمین کے مالک تھے یا ایسے ثروت مند جنہوں نے ٹیکس اداء کیا ہوتا تھا۔ انقلابی تجربے سے فرانس میں بالغ مردوں کی رائے دہی میں شرکت کی جلد توسیع ہو گئی۔ انیسویں صدی کے اختتام پر مغرب میں اخبارات کے اداریے، کالم یا تبصرے سیاسی حقوق میں توسیع کا پرچار کرنے لگے۔

([1]) 1. W. Carr and S. Kemmis, (1986), Becoming Critical: Education, Knowledge and Action Research, Falmer, London.P:67
2. Urmson, J. O, (1956), Philosophical Analysis, Oxford University Press, London.P:15
(2) Bossuet, Jacques-Benigne, (1990), Politics Drawn from the Very Words of Holy Scripture, trans: Patrick Riley, Cambridge.P:46, 83

جدیدیت میں اندرونی مسائل کے ساتھ مل کر ۱۷۸۹ء میں برپا ہونے والا فرانسیسی انقلاب ایک کرشمہ تھا جس سے موروثی بادشاہتوں کا سلسلہ ختم ہونا شروع ہوا۔ مطلق العنان بادشاہوں نے کلیسا کے اقتدار کے خاتمے میں حصہ ڈالا تھا تو اب ان کی باری تھی۔ عالمی تاریخ کے نامور جرنیلوں میں سے ایک، نپولین بوناپارٹ کے عروج نے اس بات کو یقینی بنایا کہ انقلابی فرانس نے کئی سالوں تک یورپ کے بیشتر علاقے پر تسلط قائم کیا، جس نے براعظم اور اس کے ارد گرد زیادہ موثر اور زیادہ مساوی حکومت پھیلائی۔ بالآخر ۱۸۱۵ء میں واٹرلو کی لڑائی میں نپولین (م ۱۸۲۱ء) کو شکست ہوئی لیکن وہ یورپی باشندوں کو ایک نئی قسم کی حکومت کے ذائقے سے آشناء کر گیا تھا۔

دورِ جدیدیت میں مغربی معاشرت

دور جدیدیت سے قبل مغربی ممالک کی بیرونی حدبندی نہیں کی گئی تھی جس کی وجہ سے ایک سماج سے دوسرے میں منتقلی پیچیدہ نہیں تھی۔ سولھویں صدی میں اس بات سے زیادہ فرق نہیں پڑتا تھا کہ کوئی شخص سرحد کے کس طرف رہتا ہے۔ لوگ آزادانہ طور پر نقل و حمل کرتے تھے اور ان کی بنیادی وفاداری گاؤں سے تھی۔ لیکن سترہویں صدی میں فرانسیسی اور ہسپانوی افراد کے درمیان امتیازات بڑھنے لگے جن کی وجہ سے بارڈر کی تشکیل شروع ہوئی۔ سرحدی امور کی نگرانی کے لیے مستقل طور پر نیم فوجی دستوں اور ان کی چوکیوں کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ریاستوں کے ان مہنگے اقدامات کے نتیجے میں لوگوں کے لیے پہلے کی مانند حدبندی عبور کرنا زیادہ مشکل بنا دیا گیا۔

مغرب میں اقوام کی باہمی سیاسی تقسیم کی حدبندی نے انہیں غیر مغربی دنیا میں توسیع کی تلاش پر ابھارا۔ برطانیہ مغربی برادری میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جو اپنے پروٹسٹنٹ عقائد کے ساتھ بیسویں صدی تک بیرونِ یورپ مصروفِ عمل تھی۔ اس دوڑ میں اس کی فطری حریف مضبوط مرکزی ریاست فرانس اپنے قدیم کیتھولک مسلک سے جڑے ہوئے مقابلے کی دوڑ میں شامل تھی۔ ان سے الگ نظر آنے والا ملک جرمنی ان کی طرح اتنا ہی مغربی تھا جس نے بیرونی توسیع پسندی کا رستہ نہ پاکر برادری کے اندر توسیع کا سوچا تو فساد پھیل گیا۔

جدیدیت کی تشکیل میں پرنٹنگ پریس بہت بڑی پیشرفت تھی لیکن معیشت کی حقیقی تنظیم نو کے لئے زرعی ترقی ضروری تھی کیونکہ سترہویں صدی کے آخر تک دیہی معیشت تھی۔ ایک کسان کو زمین تیار کر کے بیج پھینکنے تک بہت تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ اس کے بعد اسے فصل کے پک کر کٹائی کے نفع تک پہنچنے کے لیے حالات کی سازگاری کے لیے آسمان کی طرف نظریں اٹھائے رکھنے کی ضرورت تھی جس سے دینداروں نے اور لٹیروں سے تحفظ کے لیے جاگیرداروں نے فائدہ اٹھا کر حصہ لینا شروع کیا۔ جن سے بالا ملوکیت نے سماجی حدود اور اجتماعی مفادات کی ضمانت کے نام پر انتظامی و دفاعی اخراجات میں اضافے کے احکامات دیئے تو ان کو پورا کرنے میں کسانوں کو حصہ نکالنا پڑا۔ اس سے کسان غلامی کے انداز

میں مزارعے بنتے چلے گئے تھے۔ مغرب میں عوامی شعور کی رفعت سے دورِ جدیدیت میں جاگیر داری دم توڑنے لگی تو اس کی ملوکیت اور پاپائیت سے مل کر تشکیل دی گئی ظالمانہ مثلث کا بالآخر خاتمہ ہوا۔ (۱)

سماج جاگیر داری سے صنعتی معیشت کی جانب بڑھا تو استحصال نے مزارعت سے محنت کا رخ کیا۔ کارخانے کے کارکن نے ابتداء سے آخری مرحلے تک پیداوار میں پسینہ بہایا۔ بیسویں صدی میں آتے آتے اسے محسوس ہونے لگا کہ نفع بخش پیداوار ایک ایسے فرحت بخش مشروب کی بوتل کی مانند ہے جس سے معزوز ہونے کے لیے وہ ایک بند کرنے والے ڈھکن جتنا حصہ لے سکتا ہے۔ اس استحصال کا مکمل خاتمہ سوشلزم میں دکھائی دیا تو اسے انسانیت کی معراج قرار دیا گیا۔ اشتراکی انقلاب مغربی تہذیب کے پڑوس میں ۱۹۱۷ء میں ابھرا تو سرمایہ دارانہ مغرب میں اس کے سدباب کے لیے مزدور دوست منشور لیے لیبر اور سوشلسٹ پارٹیاں بننے لگیں۔

دورِ جدیدیت میں خاندانی نظام اور حقوقِ نسواں

دور جدیدیت میں مغرب کے یورپی باشندوں نے ایک مخصوص نوعیت کا خاندانی ڈھانچہ تیار کرنا شروع کیا جسے مؤرخین نے صرف یورپی طرز کا خاندان قرار دیا ہے۔ جس میں نسبتاً دیر سے شادی کرنے، میاں بیوی اور بچوں کا جوہری کنبہ رکھنے اور دیگر رشتہ داروں سے کمزور خاندانی تعلقات برقرار رکھنے کی تین خصوصیات تھیں۔ ابتداء میں دولہا اور دلہن والدین کے معمر یا فوت ہونے پر ہی شادی کرتے تھے۔ ایک بڑی اقلیت نے شادی کرنا ترک کر دیا لیکن ابتداء میں سماج میں ان کی زناکاری کی حوصلہ شکنی کی جاتی تھی۔ شادی کے بعد جائیداد کی مناسب حصے سے وراثت کے لیے فی خاندان بچوں کی محدود تعداد اب اس نظام کا بنیادی مقصد نظر آتا ہے۔

سترہویں صدی تک پروٹسٹنٹ مصنفین نے اچھی شادی کے بندھن میں بندھنے کے لیے ازدواجی جوڑے میں محبت کی ضرورت اور پسند کی اہمیت پر بات شروع کی۔ پہلے اگر ایک عورت قسمت کا لکھا مان کر چپ ہو جاتی تھی تو جدیدیت نے عورت کو شعور دے دیا تھا جس نے ۱۶۰۰ء میں یہ استدلال شروع کیا کہ وہ والدین کے منتخب کردہ شریک حیات سے کبھی بھی محبت نہیں کر سکتی کیونکہ ایسی شادی محبت کی بنیاد پر نہیں بلکہ جائیداد کے انتظامات پر مبنی ہوتی تھی۔ ۱۷۵۰ء میں والدین نے بچی کی بات پر کان دھرنا اس لیے بھی شروع کیے کیونکہ قانون حرکت میں آنے لگا تھا۔ پروٹسٹنٹ اصلاحات سے شادی کے مروجہ تصور ایک دنیوی معاملہ بن کر حکومتی دائرہ کار میں چلا گیا۔ عورت کی رومانس میں اضافے کی کوشش اور محبت نے بڑھتی ہوئی صارفیت سے بھی تعامل کیا۔

---

(۱) مبارک علی، ڈاکٹر، (۲۰۱۲ء)، جاگیر داری، فکشن ہاؤس، لاہور۔ ص ۲۳

پروٹسٹنٹ روحانی وابستگی کی بجائے جوڑے کی ہم آہنگی کی ترجمانی کرنے لگے تھے۔ انہون نے شادی میں رکاوٹیں ہٹانا شروع کیں تو فرسٹ کزن کے رشتے میں شادی کرنے کو جائز قرار دیا۔ سترہویں صدی میں برطانوی پارلیمان سے شادی کو دین سے الگ تھلگ کرنے کا ایک ایکٹ منظور ہوا جس سے انگریزوں میں شادی ایک لادین امر بن گئی لیکن جلد ہی پرانا نظام بحال کر دیا گیا لیکن یہ مختصر وقت کا تجربہ امریکہ پہنچ کر راسخ ہو گیا۔

مغربی سائنس، جدید آرٹ، اور صارفیت نے دوبارہ قدم بڑھا دیے۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں خواتین کے حالات میں متعدد تبدیلیاں آئیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں خواتین کو طلاق کا قانونی تحفظ ملا اور مغربی حقوق نسواں کی غیر معمولی تحریک پر خواتین کو حقِ رائے دہی دیا گیا۔ خواتین کو تفریح اور عوامی سطح پر نمودار ہونے کی آزادی کے نئے مواقع حاصل ہوئے۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی تک امریکہ، سکینڈے نیویا، برطانیہ، جرمنی، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں خواتین کو ووٹ ڈالنے کے حقوق مل چکے تھے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں شادی شدہ خواتین کو مزدوری میں واپس بھیجنے کا یکساں اور متوازی عمل جاری رہا۔

کیتھولک چرچ نے مجالس کے ذریعے پادری اور دو گواہوں کی موجودگی کے سابقہ احکام کی تصدیق کی اور خفیہ یا باہمی رضامندی کی ایسی غیر رسمی شادیاں ختم کر دیں جو بغیر باضابطہ تقریب کے جائز سمجھ لی جاتی تھیں۔ انگلینڈ میں ۱۷۵۳ء تک ایسی شادیاں ہوتی رہیں لیکن پھر چرچ آف انگلینڈ کو تمام شادیوں کا انچارج بنا دیا گیا۔ یہودیوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا گیا اور نو آبادیات کو اس سے متاثر نہ کیا گیا۔ فرانسیسی انقلاب سے خانہ شادی متعارف کرائی گئی جسے اپنا لیا گیا۔

انیسویں صدی میں جرمن اٹھان میں اہم سیاسی کردار اداء کرنے والے نابغہ حکمران بسمارک(م) نے کیتھولک چرچ کے اثر ورسوخ کو کم کر دیا۔ وہاں مجسٹریٹ یا سرکاری اہلکار کی اس بارے میں تقدیم سے شادی خانہ آبادی کی ایسی رسم چلی جس نے مغربی دنیا کے بیشتر حصوں کو متاثر کیا جس کے نتیجے میں یہ شادی کی واحد جائز شکل بن گئی۔ اگرچہ ابھی بھی مذہبی رسومات کے مطابق شادیوں کی اجازت تھی لیکن ایسا سول تقریب ہونے کے بعد ہی ممکن رہنے دیا گیا۔

مغرب میں بین المسالک ایک اور فقہی مسئلہ طلاق کا نمودار ہوا۔ مسیحیت میں بندھے ازدواجی رشتے کے قطع کرنے کی ممانعت تھی۔ کیتھولک نظریہ کی مخالفت میں پروٹسٹنٹ اصلاح پسندوں کو یقین نہیں تھا کہ شادی شدہ زندگی قدیم مسئلہ کے مطابق ناقابل حل ہے اس لیے خاص حالات میں انہوں نے طلاق کے جواز کے حق میں رائے دی۔ آہستہ آہستہ یہ بات ذہن میں بیٹھ گئی کہ باہمی پیار کی کمی کے ساتھ شادی کرنا یا اسے جاری رکھنا ایک شرمناک بات تھی اور اسے تحلیل کرنا طلاق کے حق میں جواز بن گیا۔

دورِ جدیدیت میں مغرب کی معاشی ترقی

سرمایہ دارانہ معاشیات دولت کا ایسا علم ہے جس کا دوسرا نام مادی خوشحالی اور خواہشاتِ نفس کی کثرت اور ان کی تکمیل کی راہ تلاش کرنا ہے۔ اس کا آغاز اٹھارہویں صدی میں مغرب سے ہوا جس نے پوری دنیا کو اپنے زیر اثر کر لیا ہے۔اس جدید معاشیات کا بانی ایڈم اسمتھ(م۱۷۹۰ء) کہلاتا ہے جس کی معروف کتاب "The Wealth of Nation" نے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے زیر اثر انسان اپنے پروردگار سے منہ موڑ کر بغاوت پر اتر آیا ہے اور سرمائے کی دوڑ میں اس نے اقدار و ضوابط کو فراموش کر دیا ہے۔

یورپ میں بادشاہت کے خلاف خطرہ بن جانے والے مرد آہن نپولین کی شکست میں ایک اہم حصہ برطانوی بحریہ نے ڈالا تھا۔ فرانس کے اس عظیم جرنیل کو اپنے ملک کے انقلاب پر ناز تھا تو اس کے حریف ملک برطانیہ کی معیشت ایک اور طرح کے انقلاب کی طرف گامزن ہو رہی تھی۔ نظریاتی سائنس کو ٹیکنالوجی کے عمل سے معیشت کے ساتھ مربوط کیا گیا تو اس کے نتائج اچھے نکلے۔ معاش کے زراعت پر انحصار میں کمی سے صنعتی انقلاب آنے لگا۔ برطانیہ میں اٹھارہویں صدی کے وسط کے بعد صنعت کاری کا رجحان تیزی سے عام ہونا شروع ہوا۔ میکانیکی آلات چلانے کے لیے بھاپ کی طاقت کے موثر استعمال کی وجہ سے کارخانوں میں بہت اضافہ ہوا۔ صدی ختم ہوتے ہوتے انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے قصبے بڑے ہونے لگے حتیٰ کہ وہ صنعتی علاقے بن گئے جن میں سینکڑوں فیکٹریاں کثیر مقدار میں تیار شدہ سامان کو جمع کرنے لگیں جن کی کھپت کے لیے حکومت نے منڈیاں تلاش کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔

انیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی معاشی توسیع نے شمالی امریکہ اور اندرونِ یورپ میں پھیلنا شروع کیا۔ نقل و حمل کے لئے بھاپ اور پھر بجلی کے استعمال نے اس رجحان کو مزید متحرک کیا۔ ریلوے نے پورے برطانیہ، یورپ اور شمالی امریکہ میں اپنا جال پھیلا دیا۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے براعظم شمالی امریکہ کے خام اور تیار شدہ مواد کی تجارتی توسیع کا سوچا۔ ریلوے اور بندرگاہوں کے مربوط مواصلاتی نظام نے براعظم کی سمندری حد بندی کی اہمیت دوچند کر دی چنانچہ انیسویں صدی کے وسط تک یہ دونوں ممالک بحر الکاہل کے ساحل پر پہنچ چکے تھے۔

غلام ملاحوں کی جگہ بین البراعظم سمندری راستوں پر بھاپ کی توانائی سے چلنے والے بحری جہازوں سے نقل و حمل شروع ہو گئی۔ گوشت اور دیگر جلد خراب ہونے والی اشیاء کے تحفظ کے لیے ریفریجریشن کے استعمال نے ان کی سمندر پار ترسیل کو ممکن بنا دیا تھا۔ بحری مواصلات نے دنیا کو تجارتی راستوں کے ذریعے منسلک کر دیا تو معیشت اور تجارت کا عالمی پھیلاؤ ہوا جس سے سرمایہ دارانہ نظام جڑیں پکڑ گیا۔ اس نظام نے سرمایہ دار کو مراعات یافتہ طبقہ بنا دیا

جنہیں ہر جگہ سرمایہ کاری کے فروغ کے نام پر ساز گار حالات مہیا کیے گئے۔ سرمایہ داروں کے نفع کی لالچ میں آجر اور اجیر کے حقوق و فرائض میں توازن کی سرکاری نگرانی نظر انداز کی گئی۔

کوئلے کی توانائی یا جانداروں کی طاقت کی جگہ بجلی کے استعمال اور خود کار آلے بھاپ سے جوڑنے سے صنعتکاری نے مزید ترقی کی جس نے دنیا میں مغرب کی طاقت کو بہت بڑھا دیا۔ فیکٹریوں میں بھاپ سے چلنے والی مشینیں اور غیر ہنر مند مزدور ہنر مند کاریگروں کی جگہ لینے لگے۔ اس عرصے کے دوران لوگ دیہی علاقوں سے روزگار کی تلاش یا اعلیٰ معیار زندگی کے حصول کے لیے نقل مکانی کر رہے تھے۔ شہروں کی آبادی میں غیر معمولی اضافے کی وجہ سے لندن، پیرس اور نیویارک سیاسی قیادت مہیا کرنے لگے۔ لوگوں نے مشقت کی دیہی زندگی میں برادری کی جکڑ سے نجات پانے کا سوچا تو انہیں شہر شہرت، ثقافت اور ٹیکنالوجی کے نئے دارالحکومت نظر آئے۔ انہوں نے چمکتی دمکتی مصنوعی جنت میں اپنا بسیرا بنانے کے لئے دیہی علاقوں کو چھوڑ دیا۔ شہر نے انسان کو بہت سی شکست خوردہ قوتوں سے نجات دلا کر انسانیت کے مزے سے دوچار کر دیا تھا۔ شہر ایسی خوردبین ہیں جہاں جدید انسان پر تمام تر توجہ مرکوز ہے۔ انیسویں صدی میں بڑے پیمانے پر یورپ کو صنعتی شہروں کا درجہ ملا جہاں درمیانے طبقے کے معاشرتی اختلاط سے شہری مزدور طبقہ ابھرا۔ انقلابی معاشرتی تبدیلی سے شہر ظالمانہ مکاری سے گمشدہ لوگوں کا قبرستان بن گیا۔

انسانی سہولت کی ایجادات کا سلسلہ چل پڑا۔ مغرب میں الیکٹرونکس ایجادات اور ان کی بڑھتی پیداوار نے تہلکہ مچا دیا جیسا کہ کلائی پر پہننے کے لیے سوئس ایجاد کی چربہ گھڑیاں دھول، پانی یا جھٹکا برداشت کر سکتی تھیں جنہیں ہر کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں برقی روشنی، ٹیلی فون، ریڈیو، موٹر کار اور پھر ہوائی جہاز کی ایجاد نے اپنا اثر دکھانا شروع کیا۔ پیداواری شعبے میں ہنری فورڈ نے ترقی کی منازل طے کیں۔ اس مینوفیکچرنگ شعبے سے کارپوریٹ کلچر کی ابتداء ہوئی۔ تیل کے قدرتی وسائل کی ترقی نے اس کلچر میں جان ڈال دی لیکن جدیدیت کے آخر اور مابعد میں اس نے ایسے تنازعات اٹھائے کہ انسانیت کا اختتام نظر آنے لگا۔

سرمایہ دارانہ نظام معاشی نظام بن گیا تو لوگوں نے کرنسی مارکیٹ میں سرمایہ کاری کا خطرہ مول لیا۔ صنعت کاری سے سامان پیدا کرنے کی سستی اجرت کی مزدوری تھی۔ جن کے حقوق کے لیے مزدور یونینوں نے منظم ہونا شروع کیا۔ مزدوروں نے خود کو پسا ہوا طبقہ دیکھا تو حقوق کی جنگ لڑنے کے عزم کیے جانے لگے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظریات کے منشور پیش کیے گئے۔ جن کی عملی تعبیر بالشویک انقلاب کی شکل میں ۱۹۱۷ء میں سامنے آئی۔

سوویت اشتراکی انقلاب دہریت کا علم اٹھائے ہوئے تھا جس کی جانب سے بیسویں صدی میں روسی آرتھوڈوکس چرچ کو ختم کرنے کی بالجبر کوششوں کے باوجود روس آج بھی قدامت پسند ہے۔ اس انقلابی فلسفے میں ایک نئی

طرز کی مادہ پرستی نے جنم لیا۔ تب مادیت پسندی، عینیت پسندی اور ان کے درمیان مختلف رنگوں کی لا ادریت فلسفیانہ مسائل تھے جن سے نئے نقطہ نظر کی تلاش بمع سود وصول کی جانے لگی تھی۔ اقدار اور لگان کے نئے نظریے بنائے جارہے تھے۔(۱)

دورِ جدیدیت میں مغرب کا نوآبادیاتی نظام

سترہویں صدی میں مغرب میں قومی استحکام، دولت اور خود مختاری میں اضافہ ہورہا تھا اور جب قومی حدود سخت کردی گئیں تو فرانس، اسپین اور انگلینڈ جیسے ممالک کی باقاعدہ جغرافیائی تشکیل ہوئی۔ نوآبادیات کے دور میں یورپی طاقتوں نے اپنے مفادات کے لیے قدرتی وسائل اور لوگوں کو تقسیم کیا اور یوں ان کا استحصال کیا۔ افریقہ سے لوگوں کو غلام بناکر ان کی تجارت کی گئی اور امریکہ کے مقامی لوگوں کو محکوم بناکر جبری طور پر انہیں مسیحی بنایا گیا۔

براعظم آسٹریلیا کے ممالک آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ اور شمالی امریکہ کے ممالک کینیڈا اور امریکہ اب مکمل مغربی تہذیب میں شامل ہیں۔ ان ممالک میں مقامی آبادی کے شکست کے بعد اجتماعی قتل اور بیماری کی وجہ سے وسیع پیمانے پر کمی ہوئی۔ یورپی آبادی کی بڑے پیمانے پر امیگریشن کی بنیاد پر یہاں مادی ترقی کو عروج ملا۔ نوآبادیاتی دور میں مغرب کی متحارب اقوام نے ہندوستانی، افریقی اور اسلامی تہذیبوں کے ممالک کو محکوم بنالیا اور امریکی انڈین تہذیبیں عملی طور پر ناپید کردی گئیں۔(۲)

بحراوقیانوس کے اس پار امریکہ کی توسیع کے نتیجے میں اس کے مختلف خطوں، خاص طور پر وسط میں جزائر غرب الہند اور جنوب میں تیسری دنیا کے معیار کی لاطینی آبادکار سوسائٹی پیدا ہوئی جس کے شمال میں امریکی و کینیڈیائی نسبتاً زیادہ صنعتی اور مساوات پسند معاشرے کے مابین فرق بڑھنے لگا۔ امریکیوں کے اپنے درمیان ۱۸۶۰ء کی دہائی کی ایک خونی خانہ جنگی ہوئی جس میں شمالی فتح کے ساتھ ہی دیس سے غلامی کا خاتمہ کردیا گیا۔ اس خانہ جنگی کے بعد امریکہ میں غیر معمولی صنعتی توسیع ہوئی جس کے نتیجے میں انیسویں صدی کے آخر میں دولت مند بزنس ٹائیکون کی سربراہی میں بڑی بڑی کمپنیوں کا عروج دیکھا گیا۔

ہسپانویوں کے پہلے سفر کے وقت امریکی، نئے نام والے جزیرے، ہسپانیولہ کی مقامی آبادی تیس لاکھ تھی جن میں سے آج صرف دو سو بچ گئے ہیں۔ کیوبا اور دو دیگر بڑے، خوبصورت اور زرخیز جزیرے پورٹوریکو اور جمیکا اس طرح تباہ کیے گئے کہ آج وہاں مقامی افراد میں سے کوئی ذی روح باقی نہیں۔(۳)

---

(۱) مارکس، اینگلس اور لینن، (۲۰۱۴ء)، جدلیاتی مادیت، مترجم: مرزا اشفاق بیگ، بک ٹائم، کراچی۔ ص ۲۲۱

(2) Hearnshaw, F. J. C, (1940), Sea Power of Empire, George Herrap and co; London.P: 179

(3) Nigel Griffin, (1992), A Short Account of the Destruction of the Indies, Harmondsworth. P:9

روسی سلطنت کے طاقتور بننے سے پہلے مشرقی قدامت پسند سر اٹھانے کے قابل نہیں تھے اور مغربی تہذیب کے مرکزی ممالک کی طرح ان کے توسیعی عزائم ممکن نہیں تھے۔ عربوں کے انخلاء کے بعد سپین نے نئی دنیا کی دریافت کی تو جنوبی امریکہ لاطینی امریکہ کہلایا جسے مسیحیت کے واضح طور پر مغربی ورژن میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہاں لبرل ازم نے ۱۸۰۰ء کے بعد بحر اوقیانوس کی انقلابوں کی لہر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور روشن خیالی کے فرانسیسی اور امریکی انقلابی سیاسی خیالات ہر طرف پھیل گئے۔ امریکی خطے میکسیکو اور پیرو میں زبردستی تبدیلی مذہب میں سوا لاکھ جانیں تلف کی گئیں جن کے آگے یورپ کو مسیحی بنانے کی خوفناک داستان اور سپین میں احتساب کی عدالت کی کوششیں ہیچ نظر آتی ہیں۔[1]

یورپی بری اور بحری افواج کے لیے دفاعی پیداوار کے شعبے میں صنعتی ترقی کی وجہ سے مشین گن، خار دار تاروں، خوفناک جنگی جہازوں، تارپیڈو، بارودی سرنگوں اور آبدوزوں کی اختراعات نے مغربی سلطنتوں کو مقابلے میں بہتر پوزیشن دی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ دنیا کے بیشتر حصے پر قابض ہوتی گئیں۔ مغربی تجارتی نیٹ ورکس نے اپنی قابض حکومتوں کی طرف سے دنیا بھر میں ریلوے کے پھیلاؤ کا بہتر استعمال کر کے دور دراز رسائی حاصل کی اور مقامی معیشتوں کو درہم برہم کر دیا۔

دورِ جدیدیت میں جنگ ہائے عظیم اور ان کے فاتحین

بیسویں صدی تاریخ کی سب سے پُر تشدد صدی تھی جس کے اوائل میں یورپی طاقتوں کے مابین دشمنی شدت اختیار کر گئی۔ اس صدی میں دو عالمی جنگیں، سرد جنگ، استعمار کا خاتمہ اور غاصب صہیونی ریاست کی عالمی پریشانیاں سامنے آئیں۔ یورپ معاشی ترقی میں عروج پر تھا کہ پہلی جنگ عظیم شروع ہوگئی جس نے عالمی معیشت کی حالت نازک کر دی۔ یورپی ممالک قرضدار ہو گئے جن پر امریکی قرض چڑھ گیا۔ ۱۹۲۹ء میں وال اسٹریٹ کریش کر گئی جس سے معاشی افسردگی پھیلی۔ بینک ختم ہو گئے، فیکٹریاں بند ہو گئیں، لاکھوں مزدور کام سے ہٹ گئے اور درمیانے طبقے کے خاندان اپنی بچت سے محروم ہو گئے۔ یہ بھیانک تنازعہ بنیادی طور پر یورپی سرزمین پر ہوا تھا اور اس کے نتیجے میں ایک کروڑ سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران جرمن مؤرخ نے مغرب کے انحطاط کی بات کی۔[2]

جرمنی اور اٹلی جیسے ممالک نے سامراجی طاقتوں کے گروپ میں دخل اندازی کی کوشش کی تو یہ جنگ شروع ہوئی تھی۔ شکست خوردہ یورپی طاقتوں جرمنی، آسٹریا اور عثمانی سلطنتوں کی بادشاہتوں کو معاہدہ وارسا اور دیگر معاہدوں

(1) Robert Briffault, (1930), Rational Evolution, The Macmillan Co. New York.P:117
(2) Oswald Spangler, (1926), Decline of West, Vol: 1, A.A. Knopf, NY.P:3

کے ذریعے نقشے سے مٹا دیا گیا۔ فاتح طاقتوں کی ابتدائی اتحادی طاقت روسی سلطنت کی جگہ سوویت یونین نے لے لی تھی۔ یورپ اور شمالی افریقہ کے ساتھ ساتھ، چین اور بحر الکاہل کے بڑے حصے جنگ کی ہولناکیوں کی ضد میں آئے۔

جاپان اور امریکہ کی سربراہی میں بیرونِ یورپ معاشروں نے جنگ سے فائدہ اٹھایا۔ جنگ کے بعد امریکہ سے آنے والے نئے ملبوساتی فیشن، جاز میوزک مقبول ہوئے اور جدید فن تعمیر مروج ہوا۔ ۱۹۲۰ء سے پہلے امریکہ روایات کے بھاری بوجھ سے پاک ایک نوزائیدہ قوم کی حیثیت سے سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ ایسی جگہ تھی جہاں مغربی تہذیب کی اہم خصوصیات زیادہ نمایاں ہوئیں۔ انسانی تاریخ کا نیا جنم گویا مغرب میں ہوا ہے اور اب روشن خیالی کی مشعل امریکہ میں روشن ہوگی۔(۱)

پہلی بار خواتین نے ووٹ دینے کا حق حاصل کیا اور تحریکِ نسواں کی امریکی پشت پناہی سے جنسوں کے مابین مساوات کی بات آگے بڑھی۔ بس پھر کیا تھا مقابلہ ہائے حسن کے انعقاد اور ساحلِ سمندر پر غسلِ آفتاب سے عریانی کا طوفان امڈ آیا۔ عورت خانہ داری سے بازار کی رونق بننے لگی تو مارکیٹنگ اور مال کی مشہوری میں اس کی اداکاری کے جوہر کھلے جن سے وہ فطری بندھن اور ذمہ داریوں سے آزاد ہونے لگی۔ ایسے اقدامات پاکس برٹانیکا سے پاکس امریکانا کی طرف اقتدار کی منتقلی کے کرشمے تھے۔

یورپ کے برے حالات میں فسطائی تحریکوں نے ابتدائی شکل اختیار کی اور جنگِ عظیم اول سے پہلے کے جدید معاشرے پر نئی قسم کے قدامت پسندانہ حملے شروع ہوئے۔ جرمنی میں ایڈولف ہٹلر کی نازی پارٹی ۱۹۳۲ء میں آزادانہ انتخابات میں عروج پر تھی جب سینتیس فی صد کے قریب ووٹرز نے اسے چن لیا۔ یورپ میں ابھرنے والی اس فسطائیت سے دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوا جس نے یورپ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ یورپی نوآبادیات میں آزادی کی ہلچل مچ گئی۔ روسی انقلاب ایک نئی طاقت بن کر خطرہ بن گیا۔

پرانی مقتدر طاقتیں پہلی جنگِ عظیم سے سنبھل رہی تھیں کہ دوسری جنگِ عظیم سر پر آ پہنچی۔ برطانیہ اور فرانس کے بیرون ملک معاشی مفادات کو اس جنگ نے ایسا دھچکا لگایا کہ یہ امریکہ کی زیر کمان چلی گئیں جس نے مغربی تہذیب میں نئے ثقافتی تاثرات پیدا کر دیئے تھے۔ برطانیہ کی نوآبادیات اس سے آزاد ہوئیں تو عالمی سیاسی دارالحکومت کی طرح دنیا کا مالیاتی مرکز امریکہ منتقل ہوا۔ انگریزی زبان کا عالمی غلبہ بہر حال وہاں بھی جاری رہا۔

دوسری جنگ عظیم کا خاتمے سے مغربی تہذیب کے سرمایہ دارانہ نظام نے نئی طرز کی نوآبادیات بنائیں۔ بین الاقوامی معاشی کنٹرول سے اقوام عالم کی غلامی کے تسلسل کے لیے ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے ادارے بنائے گئے جو عالمی جنگوں کے مال غنیمت کے طور پر امریکہ نے حاصل کیے۔ اس نے جدیدیت کی نوآبادیات کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی

(1) Klausner, Yosef, (1960), A History of Modern Hebrew Literature, Jerusalem: Ahiassaf. 4:281

تا کہ مابعد جدیدیت میں نئے ممالک کی منڈیاں اس کی مکمل دسترس میں ہوں جہاں سے قدرتی وسائل اور خام مال کی ترسیل آسان تر ہو۔

دورِ جدیدیت میں مغرب کی اسلام دشمنی

دور جدیدیت میں اسلام دشمنی کا سب بڑا اظہار علمی و تحقیقی انداز سے سامنے آیا۔ تحریکِ استشراق کے ذریعے یورپی تمدن کی برتری کا خیال اور مغربی شعور کے مطابق مشرق کا تصور عوام تک پہنچایا گیا جس سے مغربی ثقافتی بالادستی اور اس کی اثر پذیری کو استحکام ملا اور یہ نتائج تمدن میں رچ بس گئے۔ اس سے برے اثرات مرتب ہوئے جیسے مغربی تہذیب میں آرٹ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ جب یہ فن مارکیٹ اکانومی کا حصہ بن گیا تو فنکار کے لیے فن پاروں کی نمائشیں کرنے کے انتظامات کیے جانے لگے اور آرٹ ذاتی اظہار رائے کے طور پر بھی دیکھا جانے لگا۔ یہ آزادی اظہار آج کل بڑھ کر توہین رسالت کے کارٹونوں کی صورت میں دوسروں کے لیے دل آزاری کا باعث بن گیا ہے حالانکہ جدیدیت نے جاتے جاتے ریاستی دستور کی تقدیس میں رخنہ اندازی اور قانون شکنی کے بارے میں آزادی کے حق کا استدال ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ مغربی تہذیب کے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مسیحیوں اور صہیونی یہود کا اسلام دشمنی میں اتحاد ہے۔

خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کی مضبوط ترین سیاسی اکائی قریشی خلافت تھی۔ صلیبی جنگوں کے دوران منگول حملوں کا نتیجے میں ۱۲۶۱ء میں اس کا خاتمہ ہوا۔ مشرق وسطیٰ میں شروع ہونے والے اس کثیر جہتی جمود سے یورپی پھیلاؤ شروع ہوا۔ صلیبی جنگوں نے مسلم مسیحی تعلقات میں وہ رخنہ ڈالا تھا کہ مفاہمت کی امید نہیں تھی۔ ترکوں نے خلافت سنبھالتے ہوئے دونوں دشمنوں کو پیچھے دھکیل دیا جن کے کمزور ہوتے ہی جنگ عظیم کے بعد یروشلم پر قبضہ کرتے ہوئے اپنی جیت کے نشے میں برطانوی لارڈ ایلن بائی نے صلیبی جنگوں کے خاتمے کا اعلان کیا۔ گذشتہ دو صدیوں سے سامراج اور مسلم دنیا مسلسل کشمکش کی حالت میں ہے۔(۱)

مغرب کا ارضِ مقدس ہتھیانے کا خواب پورا ہونے میں ترک آڑے آرہے تھے۔ ۱۴۵۳ء میں ان کی فتحِ قسطنطنیہ نے مغربی تہذیب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اگرچہ اہلِ مغرب نے مشرقی آرتھوڈوکس کے بازنطینی بادشاہ کی امداد کے لیے کی جانے والی درخواستوں کو نظر انداز کیا تھا لیکن قسطنطنیہ میں مسیحیوں سے مسلمانوں کو کیا گیا انتقالِ اقتدار ان کا صدمہ پھر بھی بڑھا گیا تھا۔ اہلِ مغرب موقعے کی تاک میں تھے انہوں نے تجارت کے روایتی انداز سے ترکوں میں گھسنا شروع کیا۔ اٹھارہویں صدی میں ترکی کے ایک دانشور مرزا ابو طالب خان (م۱۸۰۶ء) نے استنبول کی تجارتی سبقت کے خاتمے سے متنبہ کیا۔ اس کے مطابق یورپ کی بری و بحری تازہ ترین معلومات کے حصول کی کاوشوں کا بنیادی مقصد

(۱) سید، محمد قطب شہید، (۱۹۹۳ء)، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، البدر پبلی کیشنز، لاہور۔ ص۹۔

تجارت میں سبقت کے لیے تھا۔ اس نے ان کی دیدہ دلیری کا یہ عالم بتایا تھا کہ وہ استنبول میں بلاروک ٹوک من مانی قیمتیں وصول کر رہے تھے۔ اس دانشور نے بروقت تجویز دی تھی کہ یمن کے سواحل فی الفور قبضہ میں لیے جائیں مبادا یورپی اقوام عالم اسلام پر تسلط جمالیں۔ (۱)

سامیت دشمنی سے صہیونیت نوازی کی طرف مغربی سفر

تھیوڈور ہرزل(م۱۹۰۴ء) کی صہیونیت کے معمار مفکر کی حیثیت سے شہرت ہے۔ جس کا پیش کردہ صیہونی مدینہ فاضلہ کا نظریہ گویا انیسویں صدی کے سائنسی مسیحائی نظریہ پر مبنی تھا یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کی طاقت سے مغرب میں تضادات کو نپٹانے اور فلسطین میں صہیونی خیال کی عملی صورت گری اور نفاذ سے یہودی معاشرے کی تشکیل دینا مطلوب تھا۔ ہرزل کے ایک خط میں ہے کہ اگر خدا کی مرضی ہے کہ یہود اپنے تاریخی آبائی وطن کو لوٹیں تو انہیں مغربی تہذیب کے نمائندوں کی حیثیت سے مشرق کے طاعون زدہ کٹے ہوئے کونے میں مغرب کے نظامِ صفائی اور نظم وضبط سے رسم ورواج پر عملی کام کرنا پڑے گا۔ (۲)

زیادہ تر یہودیوں کا خیال تھا کہ یورپ میں ترقی ناگزیر ہے اور یہ قرون وسطیٰ کے اندھیرے میں واپس نہیں جائے گا۔ ۱۸۹۹ء میں باسل میں تیسری صہیونی کانگریس میں یقین ظاہر کیا گیا کہ مستقبل میں ہمارے ماضی کی تباہ کاریوں جیسا از سر نو حملہ کیا جائے گا۔ یورپ میں انسانی ضمیر کو ایمانداری کی ضرورت ہے جو ہنگاموں میں جرائم کی مخالفت کر سکے۔ (۳)

جدیدیت کے میلے کی چکا چوند میں یہود نے ابھی سکھ کا سانس نہیں لیا تھا کہ انہیں اپنا سنہری دور ستانے لگا جس کی بازیافت کے لیے انہوں نے صہیونیت کی تحریک کی داغ بیل ڈالی جس نے عملی اقدامات کے لیے مجالس کا انعقاد شروع کیا۔ یہودی قومی فنڈ کے ذریعہ شروع کردہ درخت فنڈ، فلسطین سے مغربی یہودی رابطوں کو فروغ دینے کے لئے شاید صہیونیت کا سب سے زیادہ ذہانت والا ذریعہ تھا۔ (۴) خیرات دینے کی یہودی روایت کو اس نے مسیحائی منصوبہ سازی میں

(1) Bernard Lewis, (1968), The Emergence of Turkey, Oxford University Press, London.P:28
(2) Theodor Herzl, (1960), The Complete Diaries of Theodor Herzl. Editer: Raphael Patai, Trans: Harry Zohn, Herzl Press, New York. 1:343
(3)Volkov, Shulamit, (2006), Germans, Jews, and Antisemites: Trials in Emancipation, Cambridge University Press, New York. P:28
(4) Michael Berkowitz, (1993), Zionist Culture and West European Jewry before the First World War, Cambridge U. Press, Cambridge. P:169

صرف کیا۔ مصادر سے اخذ نہ کرنے کے باوجود صہیونیت فلسطین کی مخصوص تصاویر کو مغربی یہودی شعور میں بسانے میں کامیاب رہی اس کے مراجع میں قابل اعتماد اعداد و شمار یا معاصر غیر صہیونی حوالے تھے۔(۱)

صحرا کو آباد کرنے کے دجالی منصوبے میں انہوں نے اپنے قومی درخت غرقد کو فراموش نہ کیا۔ عصر حاضر میں کارٹونوں اور فلموں کے ذریعے مستقبل کے منصوبوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ماضی میں ناول اہم ترین ادبی تفریح تھی۔ یورپ میں پے درپے مجالس کے انعقاد نے صدیوں کی ہمسائیگی سے یہودی نفسیات کو سمجھنے والے چوکس ہوئے۔ انہیں صہیونی دانا بزرگوں کے سر جوڑنے کی تفصیلات ہاتھ لگیں تو یہود کی جانب سے عام اشاعت کے بارے میں بہانے تراشے جانے لگے۔ ایک جرمن یہودی صحافی نے پروٹوکول کا متن ہرمن گوڈشے کے ناول کا علمی سرقہ بتایا جس کا ایک منظر پراگ کے یہودی قبرستان میں تھا جہاں اسرائیل کے بارہ قبائل کے شہزادے اپنے دارالحکومت سے ایک یہودی مقدس شخص کی قبر پر جمع ہوئے تھے۔(۲)

عہد نامہ قدیم سے نسبت کا تفاخر یہود کو ان کے آباء کی طرح تحریف کے لیے مائل کرتا ہے۔ آخری نبی ﷺ کی آمد کی علامات کی معرفت سے وہ یثرب میں منتظر تھے اور اب وہ مسیحا کی آمد کی علامات پہچان کر فلسطین چلے آئے ہیں لیکن حسبِ سابق تسلیم کرنے کے لیے ان کی اپنی پیشگی شرائط ہیں کہ اگر کوئی مسیحا پیدا ہوا تو انہیں امید ہے کہ وہ گلیل کے صحرا کی بجائے بحیرہ طبریہ کے ضلع گلیلی میں اٹھے گا جہاں بجلی، گاڑیاں، صحت افزاء مکانات اور موٹر کشتیاں ہیں۔(۳)

یہود مغربی تہذیب کے اتنے خوگر تھے کہ خدا تعالیٰ سے ملنے کی آرزو میں بائبلی دور کا یہودی ماحول بناتے ہوئے انہیں جدیدیت کے وصالِ صنم کی بھی آرزو تھی۔ مشرقی شہر یافا "Jaffa" کے مقابلے میں ۱۹۱۷ء میں تل ابیب صرف کچھ چھوٹے محلوں پر مشتمل ایک جدید یورپی ماڈل کا مضافاتی شہر تھا۔ انہیں یہ امید تھی کہ صہیونیت فلسطین میں یہودی آبادکاری دمشق پر چمکتے ہوئے ایک یورپی بیکن میں بدل دے گی اور براعظم کی رگوں میں یورپی عبرانی ثقافت اہم سیاسی عنصر بن جائے گا۔(۴)

یہود کو دکھائی دیا کہ جرمنی نے پہلی عالمی جنگ کو نسلی جنگ کے طور پر لڑا تو وہ کیوں پیچھے رہیں۔ پولینڈ کے معاشرے میں یہودیوں سے کوئی خاص نفرت نہیں تھی جبکہ جرمنی میں عوامی سطح پر سامیت دشمنی جرمن ماں کے دودھ

---

(1) Michael Berkowitz, (1997), Western Jewry and the Zionist Project 1914-1933, Cambridge U. Press, Cambridge.P:123, 126

(2) Segel, Binjamin W, (1995), A Lie and a Libel: The History of the Protocols of the Elders of Zion, University of Nebraska Press, Lincoln.P:66

(3) Greenberg, Uri Zvi, (1927), Against ninety-nine, Sadan, Tel Aviv.P:33

(4) Greenberg, Uri Zvi, (1924), The Downfall of Jewry in Poland, Sadan.P:20–21

سے جذب ہونے والا ایک نفسیاتی ثقافتی رجحان ہے۔[1] جرمن سائنسی معجزے انجام دیتے ہیں انہوں نے گھڑی کو نسلوں پیچھے کی طرف موڑ دیا ہے جس سے ہم سب سیلاب کے وقت میں جی رہے ہیں۔ آج کل وہ یہودی کو سام اور "Gentile" یعنی غیر سامی قوم کو یافث کہتے ہیں۔ سام اور یافث کی واپسی سے اس دور کے رسوم و رواج بھی واپس آ گئے ہیں اور زمین پر تشدد کا ماحول بھر گیا ہے۔ غیر سامی سامیوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔[2]

جنگِ عظیم میں ایک فریق یعنی جرمنی کی شہریت میں رہنے والے یہود کی مخالف فریق یعنی برطانیہ سے ساز باز کا ردِ عمل جرمنی میں ایڈولف ہٹلر (م) کے انتخاب کی صورت میں سامنے آیا تو انہوں نے واویلا مچا دیا کہ اگر کسی عالمی جنگ کا آغاز ہوتا ہے تو یہ تباہ کن جنگ ہو گی جس میں ہٹلر کا کام سب سے پہلے یورپ کے یہودیوں کو ختم کرنا ہو گا[3] اور ایسا ہی ہوا کہ نازی رہنما نے ہولوکاسٹ، جس میں مبینہ طور پر ساٹھ لاکھ یہودی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، کا تخریبی منصوبہ ترتیب دیا جس کے فاسد معمار ہنرچ ہیملر (م ۱۹۴۵ء) نے گیس چیمبر میں جاتے ہوئے ایک سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والا لڑکے سے پوچھا کہ کیا وہ اور اس کے والدین یہودی ہیں؟ جب لڑکے نے مثبت جواب دیا تو اس نے کہا کہ افسوس! وہ اسے نہیں بچا سکتا۔[4]

یہود نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ ہٹلر یہودیوں کو روئے زمین سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ جنگِ عظیم اول کے دوران معاشی طور پر بدحال عالمی طاقت برطانیہ کی مجبوری سے ہاتھ آنے والے موقعے کا انہوں نے فائدہ اٹھایا تھا تو اس کا منفی اثر بھی قبول کرنا ضروری تھا۔ پروٹسٹنٹ مسیحی صہیونیت نواز ہیں اور صہیونی یہود کو شکوہ ہے کہ کیتھولک ویٹی کن اب بھی ان سے معمول کے تعلقات نہیں چاہتا۔ پہلی عالمی جنگ سے قبل پاپائیت صہیونیت سے مستقل دشمنی رکھے ہوئے تھا۔ سفارتی دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ عظیم طاقتوں اور صیہونیوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں اس کا بہت محدود کردار رہا بلکہ وہ تمام فریقوں سے متوازن چل رہا تھا۔ اس کے لیے صہیونی امنگوں کے مطابق پروٹسٹنٹ برطانوی اعلان اور مینڈیٹ پریشان کن تھا کیونکہ اسے یہودی ریاست سے دشمنی تھی۔[5]

۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی سکریٹری خارجہ آرتھر جیمز بالفور (م ۱۹۳۰ء) نے یہودیوں کے لیے فلسطین میں ایک قومی وطن کے قیام کے لیے برطانیہ کی حمایت کا خط صہیونی مالدار خاندان روتھ شیلڈ کے افراد کو دیا تھا۔ اس اعلامیے

---

(1) Zeev Jabotinsky, (1940), The Jewish War Front. Allen and Unwin, London.P:60–65
(2) Robert Alter edt, (1975), Shem and Japheth on the Train, Trans: Walter Lever, Behrman, New York.P:26
(3) Teveth, Kinat David, (1976), The Life of David Ben Gurion, Schocken, Jerusalem. 1:437–38
(4) Mosse, George L, (1978), Towards the Final Solution: A History of European Racism, J.M. Dent and Sons London. P:221
(5) Minerbi, Sergio, (1990), The Vatican and Zionism: Conflict in the Holy Land, 1895-1925 Studies in Jewish History, Oxford University Press, London.P:245

سے صیہونیوں میں پُرجوش امیدیں پیدا ہو گئیں گویا کہ عالمی صہیونی تنظیم کے مقاصد کی تکمیل ہو گئی تھی۔ برطانیہ نے سفارتی زبان میں فلسطین میں پہلے سے مقیم فلسطینی قوم کو طفل تسلیاں دیں اور پھر مئی ۱۹۳۹ء میں مقامی عربوں کی رضامندی کی شرط رکھتے ہوئے امیگریشن کے خاتمے کا وائٹ پیپر شائع کیا لیکن صہیونیوں نے برطانیہ پر عربوں کے طرفداری کا الزام عائد کرتے ہوئے نئی پالیسی کی مذمت کی۔ یہ نقطہ دوسری جنگ عظیم کے آغاز پر اٹھایا گیا تھا حتیٰ کہ ۱۹۴۸ میں ریاستِ اسرائیل قائم ہو گئی۔

برطانوی حکومت نے امید ظاہر کی تھی کہ یہ اعلان پہلی جنگ عظیم کے دوران مرکزی طاقتوں کے خلاف اتحادی طاقتوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے میں امریکی یہودیوں کی رائے کو راغب کرے گا اور یہ کہ برطانوی حامی یہودی آبادی کے فلسطین میں تصفیہ سے پڑوسی ملک مصر میں نہر سویز تک پہنچنے والے راستوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے اور اس طرح ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی املاک تک مواصلاتی رابطے کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم
۲. آئزک نیوٹن، (۲۰۰۰ء)، ریاضیاتِ فطری فلسفہ، مترجم: خالد مسعود، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
۳. انصاری، جاوید اکبر، ڈاکٹر، (۲۰۰۲ء)، مغربی تہذیب، شیخ زائد اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، لاہور
۴. چارلس ڈارون، (۱۹۹۹ء)، توریثِ آدم، مترجم: پروفیسر خادم علی ہاشمی ودیگر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
۵. سید، محمد قطب شہید، (۱۹۹۳ء)، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، البدر پبلی کیشنز، لاہور۔
۶. شاستری، چندر شیکھر، (س۔ن)، ہٹلر اعظم، شرکت الامتیاز، لاہور۔
۷. مارکس، اینگلس اور لینن، (۲۰۱۴ء)، جدلیاتی مادیت، مترجم: مرزا اشفاق بیگ، بک ٹائم، کراچی
۸. مبارک علی، ڈاکٹر، (۲۰۱۲ء)، جاگیرداری، فکشن ہاؤس، لاہور
۹. محمد عثمان، پروفیسر، (۱۹۷۷ء)، فکر اسلامی کی تشکیل نو، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔
۱۰. مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، (۱۹۹۵ء)، الصحیح، مترجم: علامہ وحید الزماں، مشتاق بک کارنر، لاہور

11. Bernard Lewis, (1968), The Emergence of Turkey, Oxford University Press, London
12. Charles Tilly, (1975),The Formation of National States in Western Europe, Princton University Press, Princton
13. Concise Routledge Encyclopaedia of Philosophy, (1999), London: Routledge
14. Greenberg, Uri Zvi, (1924), The Downfall of Jewry in Poland, Sadan Zeev Jabotinsky, (1940), The Jewish War Front. Allen and Unwin, London.

15. Huntington, William P, (1997), The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order, Touchstone, New York
16. Lenin, Vladimir, (1947), Materialism and Empirio-Criticism: Critical Comments on a Reactionary Philosophy. Moscow
17. Triandis, Harry, (1995),Individualism and Collectivism, Routledge, London
18. Howard Mounce, (1995), The Two Pragmatisms, From Peirce to Rorty, Routledge Taylor and Francis Group, London
19. Bernhard Rieger, (2005), Technology and the Culture of Modernity in Britain and Germany, Cambridge University Press, Cambridge
20. Stathis Psillos & Martin Curd, (2010), The Routledge companion to philosophy of science, Routledge, London.
21. W. Carr and S. Kemmis, (1986), Becoming Critical: Education, Knowledge and Action Research, Falmer, London
22. Urmson, J. O, (1956), Philosophical Analysis, Oxford University Press, London
23. Bossuet, Jacques-Benigne, (1990), Politics Drawn from the Very Words of Holy Scripture, trans: Patrick Riley, Cambridge
24. Klausner, Yosef, (1960), A History of Modern Hebrew Literature, Jerusalem: Ahiassaf.
25. Segel, Binjamin W, (1995), A Lie and a Libel: The History of the Protocols of the Elders of Zion, University of Nebraska Press, Lincoln
26. Klausner, Yosef, (1960), A History of Modern Hebrew Literature, Jerusalem: Ahiassaf.
27. Hearnshaw, F. J. C, (1940), Sea Power of Empire, George Herrap and co; London
28. Nigel Griffin, (1992), A Short Account of the Destruction of the Indies, Harmondsworth
29. Robert Briffault, (1930), Rational Evolution, The Macmillan Co. New York
30. Oswald Spangler, (1926), Decline of West, Vol: 1, A.A. Knopf
31. Theodor Herzl, (1960), The Complete Diaries of Theodor Herzl. Editer: Raphael Patai, Trans: Harry Zohn, Herzl Press, New York
32. Robert Alter edt, (1975), Shem and Japheth on the Train, Trans: Walter Lever, Behrman, New York
33. Teveth, Kinat David, (1976), The Life of David Ben Gurion, Schocken, Jerusalem.
34. Volkov, Shulamit, (2006), Germans, Jews, and Antisemites: Trials in Emancipation, Cambridge University Press, New York.
35. Mosse, George L, (1978), Towards the Final Solution: A History of European Racism, J.M. Dent and Sons London.
36. Minerbi, Sergio, (1990), The Vatican and Zionism: Conflict in the Holy Land, 1895-1925 Studies in Jewish History, Oxford University Press, London.P:245
37. Michael Berkowitz, (1997), Western Jewry and the Zionist Project 1914-1933, Cambridge U. Press, Cambridge
38. Michael Berkowitz, (1993), Zionist Culture and West European Jewry before the First World War, Cambridge U. Press, Cambridge.
39. Walter Lowrie, (1969), Kierkegaard's attack upon Christendom, Princeton

''الإكليل في استنباط التنزيل'' کی روشنی میں جہاد سے متعلق سورۃ الانفال کے مخصوص مضامین کا ایک تحقیقی جائزہ

☆ شبیر احمد عثمانی

☆☆ پرفیسر ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی

ABSTRACT

Abdul-Raḥmān ibn Abī Bakr ibn Muḥammad Jalāl al-Dīn Suyūṭī 1445–1505 AD) Al-Suyuti was born on 3 October 1445 AD (1 Rajab 849 AH) in Cairo, Egypt. His mother was Circassian and his father was of Persian origin. According to al-Suyuti his ancestors came from al-Khudayriyya in Baghdad. His family moved to Asyut in Mamluk Egypt, hence the nisba "Al-Suyuti". His father taught Shafi'i law at the Mosque and Khanqah of Shaykhuin Cairo, but died when al-Suyuti was 5 or 6 years old. Al-Suyuti died on 18 October 1505.His major works is.Tafsir al-Jalalayn (Arabic: Commentary of the Two Jalals'); and Qur'anic exegesis written by Al-Suyuti and his teacher Jalal al-Din al-Mahalli, Al-Itqān fi 'Ulum Al-Qur'an (translated into English as The Perfect Guide to the Sciences of the Qur'an, Al-Tibb al Nabawi (Arabic: Prophetic medicine),Al-Jaami' al-Kabir (Arabic), Al-Jaami' al-Saghir (Arabic), Dur al-Manthur (Arabic) in tafsir, Alfiyyah al-Hadith, Tadrib al-Rawi (Arabic) both in hadith terminology and History of the Caliphs (Tarikh al-khulafa). The two parties met in combat at Badr on the seventeenth of Ramadan. When the two armies confronted each other and the Holy Prophet noticed that the Quraish army outnumbered the Muslims by three to one and was much better equipped, he raised his hands up in supplication and made this earnest prayer with great humility: "O Allah! Here are the Quraish proud of their war material: they have come to prove that Thy Messenger is false. O Allah! now send that success that Thou hast promised to give me. O Allah! If this little army of Thy servants is destroyed, then there will be left none in the land to worship Thee." Instead of gloating over the victory, the moral weaknesses that had come to the surface in that expedition have been pointed out so that the Muslims should try their best to reform themselves. It has been impressed upon them that the victory was due to the success of Allah rather -than to their own valor and bravery so that the Muslims should learn to rely on Him and obey Allah and His Messenger alone. The moral lesson of the conflict between the Truth and falsehood has been enunciated and the qualities which lead to success in a conflict have been explained. In this Article I tried my best to analyses his tafseer alkalil fi asnbat altanzeel particular topics about surah al-anfal.

Keywords: Suyuti, Jihad, thought, exegetical points

☆ ریسرچ سکالر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

☆☆ پروفیسر شعبہ اسلامیات، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

تعارف مؤلف:

علماء کی درس وتدریس کی زینت پانچ سوسے زائد چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف علم کے جہان کا آفتاب ومہتاب جلال الملت والدین علامہ جلال الدین سیوطیؒ معروف ومشہور شخصیت کے مالک ہیں، آپ کی حیات کے بارے میں ڈاکٹر محمد حسین وہبی تحریر فرماہیں:

”آپ کا نام جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمان بن ابی بکر سیوطی ہے، آپ شافعی المسلک تھے، ماہ رجب ۸۴۹ ہجری کو پیدا ہوئے، ابھی پانچ برس سات ماہ کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا، والد نے آپ کو چند لوگوں کی تحویل میں دے دیا تھا جن میں کمال بن ہمام کا نام قابل ذکر ہے۔ آپ نے امام سیوطی کی حفاظت وتربیت کا حق ادا کر دیا۔ آٹھ سال کی عمر میں قران کریم اور بہت سی متون زبانی یاد کر لئے۔ آپ کے تلمیذ علامہ داؤدی کا بیان ہے کہ علامہ سیوطی کے شیوخ واساتذہ کی تعداد اکاون ہیں۔ آپ پانچ سوسے زائد کتب کے مصنف ومؤلف ہیں، امام سیوطی سرعت تصنیف میں عدیم النظیر تھے۔ داؤدی کہتے ہے کہ میرا چشم دیدہ واقعہ ہے کہ استاد گرامی ایک دن میں تین بڑے اجزاء تحریر کرلیا کرتے تھے، سیوطی علم حدیث اوراس کے متعلقہ فنون متون اوراسانید کے رواۃ ورجال اوراستنباط احکام میں یکتائے روزگار تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے دولاکھ احادیث یاد ہیں۔ اوراگر کچھ اور حدیثیں ملتیں تو میں انہیں بھی یاد کرلیتا تھا، جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو دنیوی علائق سے علیحدہ ہوکر اپنے آپ کو ذکروعبادت کے لئے وقف کر دیا فتوی اور تدریس تک ترک کر دی۔ روضۃ المقیاس میں سکون پذیر ہوئے اوروفات تک وہیں رہے آب کے بہت سے مناقب وکرامات ہیں، آپ نے بہت عمدہ اشعار بھی کہے ہیں جو علمی فوائداور شرعی احکام سے متعلق ہیں۔ آپ نے ۱۹ جمادی الاولی ۹۱۱ھ شب جمعہ کو وفات پائی۔“(۱)

جلال الدین سیوطی حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے۔ آپ نے آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد عمدۃ الاحکام للنووی، منہاج لابن مالک، اور الفیۃ للبیضاوی حفظ کرلیں۔ آپ نے مصر کے نامور اساتذہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، طب وغیرہ علوم کی تعلیم حاصل کی۔

۸۶۹ ھ میں سیوطی فریضہ حج ادا کرنے کے لیے گئے اور وہاں کے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ سفر حج کے دوران آپ ﷺ نے "النحلة الزكية في الرحلة المكية" اور "النفحة المسكية والتحفة المكية" تصنیف کیں۔(۲)

(۱) حریری، غلام محمد، (۱۹۹۹ء)، تاریخ تفسیر ومفسرین، ملک سنز اینڈ پبلشرز، فیصل آباد۔ ص:۲۲۹

(۲) سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن، (۱۹۷۵ء)، کتاب التحدث بنعمۃ اللہ، المطبعۃ العربیۃ الحدیثۃ، القاہرہ۔ ص:۷۹

اس کے بعد ۸۷۰ھ کے اوائل میں قاہرہ واپس آئے اور اپنے والد کے مدرسہ شیخونیہ میں مدرس ہو گئے۔ ۸۹۱ھ میں آپ کو معروف مدرسہ البیبرسیہ میں بھیج دیا گیا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر آپ کو ۹۰۶ھ میں اس منصب سے الگ کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے جانشین مدرس کی وفات کے بعد آپ کو دوبارہ اسی عہدے کی پیش کش کی گئی جسے آپ نے قبول نہ کیا اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ آپ نے ۱۸ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔(۳)

علامہ سیوطی کثیر التالیف علماء میں سے ہیں، آپ نے اپنی نادر روزگار ۵۰۰ سے زائد تصنیفات کا گراں قدر مجموعہ اپنے پیچھے چھوڑا جن کی فہرستیں مختلف لوگوں نے ترتیب دی ہیں، ڈاکٹر محمود احمد غازی علامہ سیوطی کی تصنیف کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"علامہ جلال الدین سیوطی مشہور مفسر محدث اور فقیہ بلکہ ہر فن کے مولا ہیں۔ جن کی کم و بیش پانچ سو کتابیں موجود ہیں۔"(۴)

مولوی عبد الحلیم چشتی نے فوائد جامعہ بر عجالہ نافعۃ، میں علامہ سیوطی کی ۵۰۶ کتب کی فہرست ترتیب دی۔(۵)

اسماعیل پاشا بغدادی نے آپ کی تصانیف کی ایک فہرست ترتیب دی ہے۔ جبکہ آپ کے ہم عصر علماء میں سے کسی ایک کی بھی تصانیف کی تعداد اِس قدر نہیں ہے۔(۶)

تفسیر "الإكليل في استنباط التنزيل" کا ایک مختصر جائزہ:

قرآن مجید بے شمار علوم وفنون کا خزینہ ہے۔ اس کے متعدد مضامین میں سے ایک اہم ترین مضمون اس کے احکام ہیں جو پورے قرآن مجید میں جابجا موجود ہیں۔ احکام القرآن پر مبنی آیات کی تعداد پانچ سو یا اس کے لگ بھگ ہے۔ لیکن مفسرین کرام نے جہاں پورے قرآن کی تفاسیر لکھی ہیں، وہیں احکام پر مبنی آیات کو جمع کر کے الگ سے احکام القرآن پر مشتمل فقہی تفسیری مجموعے بھی مرتب کئے ہیں۔ احکام القرآن پر مشتمل کتب میں قرآن مجید کی صرف انہی آیات کی تفسیر کی جاتی ہے جو اپنے اندر کوئی شرعی حکم لئے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ قصص، اخبار وغیرہ پر مبنی آیات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی کی تفسیر "الاکلیل فی استنباط التنزیل" بھی اسی طرز کی ایک منفرد تفسیر ہے، جس میں علامہ سیوطی نے پورے قرآن میں موجود احکام پر مبنی آیات کی تفسیر قلم بند کی ہے۔

---

(۳) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (۲۰۰۶ء)، دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ ج:۱۱، ص:۵۳۷

(۴) غازی، محمود احمد، (۲۰۰۲ء)، محاضرات قرآنی، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران۔ ص:۲۳۷

(۵) چشتی، عبد الحلیم، (س۔ن)، فوائد جامعہ بر عجالہ نافعۃ، لاہور: علمی بک ڈپو۔ ص:۲۱۲

(۶) سیوطی. جلال الدین، عبد الرحمن، (س۔ن)، مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن، کوئٹہ، مکتبہ المعروفیہ۔ ج:۲ ص:۱۸۳

احکام القرآن پر قرون اولی سے لے کر آج تک بہت ہی عمدہ اوراعلی پیرایہ میں تفاسیر لکھی جاچکی ہیں، مگر علامہ سیوطیؒ کی تفسیر ''الإکلیل فی استنباط التنزیل'' کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے،اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مختصر و احسن انداز اور بہترین پیرایے میں شرعی احکام کا استقصاء کیاہے۔

احکام القرآن پر علامہ سیوطی کا مرتب کردہ مجموعہ ''الاکلیل فی استنباط التنزیل'' مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مفید مجموعہ ہے،اس فقہی تفسیر میں علامہ سیوطی نے فقہی احکام ومسائل کی بہت مختصر، آسان اور سہل انداز میں شرح فرمائی ہے۔اس تفسیر میں علامہ سیوطی نے عموماشافعی مسلک کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہی احکام کا استنباط کیاہے مگر باین ہمہ وقتافوقتادوسرے مشہور فقہی مسالک کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ایک جید عالم اور مفتی کے لئے یہ تفسیر اہم فقہی ماخذ ہے جو دوسری بہت ساری فقہی تفاسیر سے مستغنی کرنے والی ہے،علامہ عبد القادر الکاتب اس تفسیر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں :

> ''علامہ جلال الدین سیوطی کی یہ تفسیر اس سے بلند وبرتر ہے کہ مجھ جیساعاجز اس کی تعریف کرے،یہ تفسیر روز اوّل سے علماء اور فقہاء کے استنباطات کا مرجع ہے۔اگر لوگوں کی طبائع جامدہ کا خیال نہ ہو تاتو علماء ہر وقت اس کی طرح طرح کی خدمات کرتے رہتے،اور لوگوں کے لئے اسے سہل بناتے۔''(۷)

سورۃ الانفال کے جہاد سے متعلق مخصوص مضامین کا جائزہ:

پیشِ نظر آرٹیکل میں تفسیر الاکلیل کی روشنی میں جہاد سے متعلق سورۃ الانفال کے جہاد سے متعلق متعدد مضامین مثلا: جہاد سے فرار،مال غنیمت کے احکام واقسام اور جہاد میں قید ہونے والے قیدیوں کے حکم وغیرہ کا جائزہ لیاجائیگا۔

ا۔جہاد سے فرار:

میدان جنگ سے بھاگنا کیساہے؟اس کے کیااحکام ہے؟کب بھاگناجائز اور کب ناجائز ہے؟یہ اوراس جیسے تمام سوالات کے جوابات علماء کرام نے سورۃ الانفال کے آیت نمبر۱۵،۱۶ میں دئے ہیں، چنانچہ اس حوالے سے اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾(۸)

"اے اہل ایمان!جب میدان جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا۔"

(۷)سیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن،(۱۹۸۱ء)، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ص:۵

(۸)سورہ الانفال،۸/ ۱۵

میدان جنگ سے بھاگنے کے بارے میں اس آیت کے تشریح میں علامہ سیوطیؒ الاکلیل فی استنباط التنزیل میں کچھ یوں رقمطراز ہے:

"قوله تعالى: ﴿إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا﴾ الآية. فيها تحريم الفرار من الزحف وأنه من الكبائر إلا من ولى متحرفاً لقتال بأن يريهم الفرة وهو يريد الكرة أو متحيزاً إلى جماعة يستنجد بها وذهب قوم إلى أن الفرار من الزحف غير محرم، وقالوا: الآية خاصة بيوم بدر لقوله: ﴿يَوْمَئِذٍ﴾"(۹)

"اللہ تعالیٰ کے فرمان:"إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا" میں جنگ سے بھاگنے کی حرمت ہے،اور یہ کہ جنگ سے بھاگنا بڑے گناہوں میں سے ہے،البتہ اگر کوئی اس لئے بھاگتا ہے کہ بظاہر (دشمن کو) دکھاتا ہے کہ میں تو بھاگ رہا ہوں جبکہ وہ واپس دوبارہ حملہ کا ارادہ رکھتا ہو یا ٹھکانہ ہو ایک ایسی جماعت کے ساتھ پکڑتا جو اسے دشمن سے نجات دے،تو پھر جائز ہے جبکہ علماء کی ایک جماعت نے اسے مطلقا جائز قرار دیا ہے،اس آیت کے بارے میں وہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خاص ہے جنگ بدر کے ساتھ،انہوں نے اس آیت میں لفظ "یومئذ" سے استدلال کیا ہے۔" سورۃ الانفال کی اس آیت کے تحت علامہ سیوطیؒ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ جنگ سے بھاگنے والے مجاہدین کے حکم کے بارے میں دو مذہب ہیں، پہلا مذہب ان حضرات کا ہے جو فرماتے ہیں کہ جنگ سے بھاگنا حرام وناجائز ہے۔ یہ آیت کریمہ جنگ بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔ غزوہ بدر کے علاوہ دیگر جنگوں سے بھاگنا کوئی جرم نہیں ہے۔ جو لوگ کہتے ہے کہ جنگ سے بھاگنا جرم ہے ان کا فرمان ہے کہ جب دشمن سامنے ہو یا مسلمانوں پر جنگ مسلط کر دی جائے تو اس صورت میں پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی بجائے جان پر کھیل جانا چاہیے۔ جو مجاہد دشمن کے مقابلے میں پیٹھ پھیر کر بھاگے گا وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے گا اگر وہ اسی حالت میں مر جائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا کیونکہ اس نے اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کے مفاد پر اپنے آپ اور اپنے مفاد کو ترجیح دی۔ البتہ جنگی حکمت عملی کے تحت مورچہ چھوڑنا یا ایک محاذ کے بجائے اپنے کمانڈر کے حکم پر دوسرے محاذ پر جانا یا دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ملنے کی خاطر پیچھے پلٹتا ہے تو اس میں کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ حالت جنگ میں یہ تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے، حالت جنگ میں بھاگنا اس لیے سنگین جرم ہے کہ ایک شخص کے بھاگنے سے دوسرے ساتھیوں کے حوصلے پست ہوتے ہیں۔ اس طرح بھاگنا مسلمان کی غیرت کے منافی ہے۔ جنگ سے فرار موت کے ڈر سے ہوتا ہے۔ جبکہ موت کی جگہ اور وقت مقرر ہے لہٰذا بھاگنا بزدلی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ احادیث میں جنگ سے بھاگنے کو بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، امام بخاریؒ اس حوالے سے ایک حدیث روایت کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

(۹) سیوطی، جلال الدین، الاکلیل فی استنباط التنزیل، ص:۱۳۴

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ، قَالُوا: يَا رَسُول اللّٰهِ، وَمَا هُنَّ قَال الشِّرْكُ باللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَات''(١٠)

"حضرت ابوہریرہ نبی اکرم (ﷺ) کا فرمان نقل کرتے ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ کرام (رض) نے استفسار کیا۔ اے اللہ کے رسول! وہ کون سی ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی کو ناجائز قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال ہڑپ کرنا، لڑائی کے دن میدان سے بھاگنا، معصوم اور بے گناہ عورتوں پر الزام لگانا۔"

علماء کرام اور فقہاء عظام نے یہ بھی شرط لکھی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلے میں کم نہ ہو، اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنے شہرہ آفاق تفسیر میں اس شرط کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہیں:

"اکثر اہل علم کے نزدیک میدان جنگ سے مقابلہ کے وقت بھاگنا گناہ کبیرہ ہے، چاروں اماموں کا قول یہی ہے مگر سب کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں نصف سے کم نہ ہو۔ اگر نصف سے کم ہو تو دشمنوں کو چھوڑ کر بھاگنا جائز ہے۔"(١١)

لڑائی سے بھاگنے کی مذکورہ شرط ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ صاحب نے بھی بیان فرمائی ہے:

"لیکن یہ گناہ کبیرہ اس وقت تک ہے جبکہ دشمنوں کی تعداد دوگنا سے زائد نہ ہو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر بھی ثابت قدم رہنا اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی افضل ہے۔ جیسے جنگ موتہ میں اہل اسلام کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور ان کے مقابل قیصر کی فوج دو لاکھ تھی، لیکن غلامان مصطفی نے پرچم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا، فاتح اندلس طارق رحمۃ اللہ علیہ صرف سترہ سو جانبازوں کے ساتھ راڈرک شاہ اندلس کے ستر ہزار شہسواروں سے ٹکرایا اور ان کو کچل کر رکھ دیا۔"(١٢)

---

(١٠) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (١٩٨٧ء)، الصحیح، ج:٢ ص:١٠٠٣

(١١) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، (س۔ن)، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان۔ ج:٤ ص:٣٧

(١٢) ازہری، پیر کرم شاہ، (س ن)، ترجمہ ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ ج:٢ ص:١٣٢

ان علماء کرام کے برعکس علماء وفقہاء کا دوسرا طبقہ رائے رکھتا ہے کہ لڑائی سے بھاگنا کوئی جرم نہیں ہیں یہ مذکورہ آیت کریمہ خاص ہے غزوہ بدر کے ساتھ، علامہ طبریؒ ان حضرات کے مذہب کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''فقال قوم: هو لأهل بدر خاصة، لأنه لم يكن لهم أن يتركوا رسول الله ﷺ مع عدوه وينهزموا عنه، فأما اليومَ فلهم الانهزام.ذكر من قال ذلك:حدثنا محمد بن المثنى قال، حدثنا عبد الأعلى قال، حدثنا داود، عن أبي نضرة في قول الله عز وجل: (ومن يولهم يومئذ دبره)، قال: ذاك يوم بدر، ولم يكن لهم أن ينحازوا''(۱۳)

"کچھ علماء نے کہا کہ یہ بدر کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ آپ ﷺ کو دشمنوں کے ساتھ چھوڑ کر اور خود بھاگ جائے، اور جہاں تک بات ہے آج کل کا تو آج کل بھاگ جانا جائز ہے، داود نے ابی نضرہ سے اللہ کے ارشاد: (ومن یولھم یومئذ دبرہ) کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اس کا تعلق یوم بدر سے ہے، اس دن ان کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ بھاگ جائے۔"

اسی مذہب کو تفسیر مظہری میں کچھ زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ صحابہ میں ابو سعید خدریؓ اور تابعین میں حسن بصریؒ، ضحاک، قتادہ اور دیگر حضرات کی طرف منسوب ہے کہ:

''حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا: مقابلہ سے روگرداں ہونے کی ممانعت صرف اہل بدر کے ساتھ مخصوص تھی۔ رسول اللہ (ﷺ) وہاں موجود تھے، انہی کیلئے بھاگنا ناجائز تھا۔ اگر بھاگتے تو کہاں جاتے، مشرکوں کی ہی طرف لوٹ کر جانا پڑتا۔ بدر کے بعد تو (ہر لڑائی میں) مسلمان باہم ایک دوسرے کیلئے پناہ کا مقام تھے، بھاگنے والا لوٹ کر بھی مسلمان کی طرف سمٹ کر آئے گا، اسلئے بدر کے بعد قتال سے فرار گناہ کبیرہ نہیں۔ حسن، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی مسلک ہے۔ یزید بن ابی حبیب نے کہا: بدر کے دن فرار ہونے والے کیلئے تو اللہ نے دوزخی ہونے کی صراحت فرمادی لیکن اس کے بعد احد کے بعد جو لوگ میدان قتال سے روگرداں ہوئے ان کے متعلق فرمایا: ﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ﴾۔ پھر حنین کے دن فرار ہونے والوں کے متعلق فرمایا: ﴿ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ﴾(۱۴)

---

(۱۳) طبری، محمد بن جریر، (۲۰۰۰ء)، جامع البیان عن تأویل آي القرآن، بیروت: مؤسسہ الرسالہ۔ ج:۱۳ ص ۴۳۶

(۱۴) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ج:۴ ص:۳۷

اس تفصیل کو نقل فرمانے کے بعد قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا مذہب اجماع امت کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے، اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے میں اس کو قابل اتباع نہیں سمجھتا۔

"یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے اور احد و حنین میں بھاگنے والوں کے متعلق جو آیات مذکور ہیں وہ تو ان لڑائیوں میں بھاگنے والوں کو گناہگار قرار دے رہی ہیں، اوّل جگہ صراحت ہے کہ بھاگنے والوں ہی کی بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے اور اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ دوسری آیت میں ہے: تم منہ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ جس کی توبہ چاہے گا قبول فرمالے گا، ظاہر ہے کہ معافی اور قبول توبہ بغیر ارتکاب گناہ کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات ہلاکت آفریں چیزوں میں قتال سے بھاگنے کا شمار کیا ہے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اور اصحاب سنن نے حضرت صفوان بن عسال کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ سورۃ النساء کی آیت﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ کی تفسیر میں ہم نے کبائر کی تشریح کر دی ہے۔ لہٰذا مندرجۂ ذیل آیت کی وعید عام ہے (صرف اہل بدر کی خصوصیت نہیں)۔"(۱۵)

خلاصہ کلام یہ کہ جنگ سے فرار ہونے والے جماعت کے بارے میں علماء مفسرین اور فقہاء کرام کے دو مذاہب ہیں ان میں ابوسعید خدریؓ، حسن بصریؒ، ضحاک، قتادہ وغیرہ کا ہے انہوں نے آیت مذکورہ کو جنگ بدر کے ساتھ مخصوص قرار دیکر بھاگنا جائز قرار دیا جبکہ دوسرا مذہب جمہور فقہاء کرام اور علماء کا ہے جن میں آئمہ اربعہ سر فہرست ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں مومنین کو ثبات و قرار کا حکم ہے یعنی مسلمانوں پر میدان جہاد میں ثابت قدم رہنا واجب ہے اور مقابلہ کفار سے فرار حرام ہے بجز دو صورتوں کے ایک تو یہ کہ پسپائی سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو تاکہ دشمن غافل ہو جائے پھر پلٹ کر دفعتہً اس پر حملہ کرے ظاہر میں بھاگنا ہو مگر در حقیقت مقصود حیلہ اور داؤ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی جامعت میں پناہ لینا ہو تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد و قتل کرتے تو ایسی پسپائی گناہ نہیں ہاں جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو تو وہ گناہ ہے۔

۲۔مال غنیمت کی اَقسام واَحکام:

جنگ سے بھاگنے کے احکام بیان کرنے کے بعد علامہ سیوطیؒ نے ایک اہم مسئلہ مال غنیمت کے اقسام اور اس کے تقسیم کے احکام بیان فرمائے ہیں چنانچہ سورہ الانفال میں اللہ تعالی کا قول ہے:

---

(۱۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ج:۴ص:۳۸

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾(۱۶)

"اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔"

علامہ سیوطیؒ الاکلیل فی ااستنباط التنزیل میں اس آیت کی تفسیر وتشریح فرماتے ہوئے بہت ہی عمدہ انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

"قوله تعالى: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ الآية. فيها ذكر الغنيمة وأنه يجب قسمتها أخماسا، أربعة منها للغانمين، والخمس الباقي يقسم خمسة أسهم لرسول الله ﷺ سهم ولذي القربى سهم ولليتامى سهم وللمساكين سهم ولابن السبيل سهم، وفيها أن أداء الخمس من شعب الإيمان لقوله: ﴿إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ﴾(۱۷)

اللہ تعالی کا قول: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ اس میں مال غنیمت کا تذکرہ ہے اور یہ کہ اس کے تقسیم کا طریقہ کار یہ ہو گا کہ اسے پانچ حصے کر دیا جائیگا چار حصے مجاہدین کو دئے جائینگے اور باقی ایک کو پانچ حصے کر کے ایک حصہ رسول اللہ کا ایک آپ ﷺ کے رشتہ داروں (بنی ہاشم اور بنی مطلب) کا ایک یتامی کا ایک مساکین کا اور آخری ایک حصہ مسافروں کو دیا جائیگا، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خمس کی ادائیگی شعب الایمان میں سے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ﴾"

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مال غنیمت کی تقسیم اوراس کی اقسام واحکام ذکر فرمائے ہیں مگر اس بحث کو سمجھنے سے پہلے ایک بات سمجھنا ضروری ہے وہ یہ کہ کافروں سے حاصل ہونے والا مال دو قسم پر ہیں:

ا۔مال غنیمت:

مالِ غنیمت: اس مال کو کہتے ہیں جو کافروں سے جنگ لڑنے کے بعد ہاتھ آئے۔(۱۸)

عمیم الاحسان صاحب نے بھی التعریفات الفقہیہ میں یہی تعریف ذکر فرمائی ہے:

"أما المأخوذ بقتال فيسمى غنيمة"(۱۹)

---

(۱۶)سورۃ الانفال،۹/۴۱

(۱۷)سیوطی، جلال الدین، الاکلیل فی استنباط التنزیل، ص:۱۳۵

(۱۸)راغب اصفہانی، محمد بن حسین ،(س۔ن)، المفردات فی غریب القران، میر محمد کتب خانہ، کراچی۔ ص:۳۲۴

۲۔مالِ فیئ:

امام راغب اصفہانیؒ مفردات القرآن میں مال فئی کے متعلق لکھتے ہیں:

"مالِ فئے اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر جنگ کے حاصل ہو، جیسے وہ مال جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان مصالحت کے نتیجہ میں حاصل ہو، یا کوئی ذمی مال چھوڑ کر مر جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور وہ مال جو جزیہ اور خراج کے طور پر حاصل ہو۔"(۲۰)

اسی بات کو محمد بن علی تھانوی حنفیؒ نے بھی مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمائی ہے:

"الفيء هو المال المأخوذ من الكفار بغير قتال كالخراج والجزية"(۲۱)

التعریفات الفقہیہ میں محمد عمیم الاحسان صاحب بھی مال فئی کی وہ تعریف نقل فرماتے ہیں جو امام راغب اصفہانی اور محمد بن علی تھانوی حنفی نے نقل فرمائی ہے:

"الفيء: هو المال المأخوذ من الكفار بغير قتال، كالخراج والجزية"(۲۲)

چونکہ اس مقام پر مذکورہ آیات کا تعلق مال فئی کے بجائے مال غنیمت سے ہیں لہذا ہم مال غنیمت کا ہی کچھ روداد بیان کرینگے۔

اس آیت کریمہ کے مطابق مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائینگے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کے لئے اور آیت میں مذکور لوگوں کے لیے ہو گا، جبکہ باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والوں پر عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیے جائیں گے، پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ اور گھڑ سوار کے لیے دو حصے، ایک حصہ اس کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے ہونگیں، احکام القرآن کے مشہور مفسر علامہ ابو بکر جصاص حنفیؒ لکھتے ہیں:

"کفار سے قتال کے ذریعے جو مال و اسباب حاصل کیا جاتا ہے غنیمت کا لفظ اس کے لئے اہم ہے، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہوتا ہے اور باقی چار حصے مال غنیمت حاصل کرنے والوں کے لئے ہوتے ہیں۔"(۲۳)

---

(۱۹) محمد عمیم الإحسان، (۱۴۲۴ھ)، التعریفات الفقھیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ ج:۱ص:۱۶۵

(۲۰) راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القران، ص:۳۲۴

(۲۱) تھانوی، محمد بن علی، (۱۹۹۶ء)، موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبہ لبنان، بیروت۔ ج:۲ص:۱۲۹۳

(۲۲) محمد عمیم الإحسان، التعریفات الفقھیۃ، ج:۱ص:۱۶۵

(۲۳) طبری، محمد بن جریر، جامع البیان، ج:۴ص:۲۴۳

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس بحث کا بہت ہی اچھوتے انداز میں خلاصہ ذکر فرمایا ہے:

"ومال غنیمت کافروں سے لڑکر ہاتھ آئے اس میں پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم و بنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت و امداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لیے حرام ہوا۔ یتیموں پر، حاجت مند مسلمانوں پر، مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے، وہ لشکر پر تقسیم کئے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ" کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رحلت کے بعد حضور (ﷺ) کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصّہ رہا جو ان کو حضور (ﷺ) کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور (ﷺ) کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ (۲۴)"

یہاں ایک بات یہ بھی محل نظر رہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شہسوار کو دو حصے دئے جائینگے جبکہ پیدل والے مجاہد کو ایک حصہ دیا جائیگا، اس کے بر خلاف صاحبین اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شہسوار کو تین حصے اور پیدل مجاہد کو ایک حصہ دیا جائیگا، فقہ حنفی کی مشہور متن قدوری میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے:

"يقسم أربعة أخماسها بين الغانمين للفارس سهمان وللراجل سهم عند أبي حنيفة وقالا: للفارس ثلاثة أسهم" (۲۵)

یہی بات علامہ مرغینانیؒ ہدایہ میں بھی بالکل اسی طرح تحریر فرماتے ہیں چنانچہ حضرت کچھ یوں رقمطراز ہے:

"يقسم الأربعة الأخماس بين الغانمين "لأنه ﷺ قسمها بين الغانمين" ثم للفارس سهمان وللراجل سهم "عند أبي حنيفة رحمه الله" وقالا للفارس ثلاثة أسهم "وهو قول الشافعي رحمه الله" (۲۶)

(۲۴) عثمانی، شبیر احمد، (۲۰۰۷ء)، تفسیر عثمانی المعروف فوائد القرآن، دارالاشاعت، کراچی۔ ج:۱ص:۸۲۱

(۲۵) قدوری، ابوالحسین احمد بن محمد، (س۔ن)، مختصر القدوری، امیر محمد کتب خانہ، کراچی۔ ص:۲۳۲

(۲۶) مرغینانی، علی بن ابی بکر، (س۔ن)، الهدایہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔ ج:۴ص:۳۲۴

اب رہی دوسری بات کہ باقی جو خمس رہ گیا اس کی تقسیم کا کیا طریقہ کار ہو گا تو اس حوالے سے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات تو محقق ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اور اس کے رشتہ دار توفوت ہوگئے باقی رہے تین اصناف یعنی یتامی، مساکین اور مسافر تو ان تین اصناف کے درمیان باقی ماندہ خمس کو تقسیم کیا جائیگا، قدوری میں مرقوم ہے:

"وأما الخمس فيقسم على ثلاثة أسهم: سهم لليتامى وسهم للمساكين وسهم لأبناء السبيل....وسهم النبي ﷺ سقط بموته كما سقط الصفي وسهم ذوي القربى كانوا يستحقونه في زمن النبيﷺ"(۲۷)

جہاں تک بات ہے باقی خمس کا تو اس کو تین حصے کر کے ایک یتیموں کا ایک مساکین کا اور ایک مسافروں کا ہو گا، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اور اس کے رشتہ دار جس طرح کہ وہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے زمانے میں مستحق ہوا کرتے تھے، چونکہ وہ فوت ہو چکے ہیں لہذا ان کا حصہ ساقط ہو جائیگا۔

اس پوری بحث کا لُب لُباب یہ ہوا کہ مال غنیمت کے کل پانچ حصے کیے جائینگے، ایک حصہ یتامی، مساکین اور مسافروں کا ہو گا، جبکہ باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والوں پر عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیے جائیں گے، پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ اور گھڑ سوار کے لیے دو حصے، ایک حصہ اس کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے ہونگیں۔

۳۔ جہاد میں قید ہونے والے قیدیوں کا حکم:

جہاد سے متعلق ایک ضروری امر جو ہر جنگ میں سامنے آتا رہتا ہے وہ قیدیوں کا مسئلہ ہے اسلام میں قیدیوں کا معاملہ سب سے پہلے جنگ بدر میں سامنے آیا جس پر اللہ تعالی نے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی سورہ الانفال میں اس حوالے سے ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾(۲۸)

"اگر تم انکو لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ انکو دیکھ کر بھاگ جائیں۔ عجب نہیں کہ انکو (اس سے) عبرت ہو۔"

---

(۲۷) قدوری، مختصر القدوری، ص: ۲۳۲

(۲۸) سورۃ الانفال، ۸/ ۵۷

اس آیت کی تفسیر علامہ سیوطیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں بیان کرتے ہوئے قیدیوں کے احکام کے بارے میں اس طرح لکھاہے:

"قوله تعالى: ﴿فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ الآية. استدل به من قال بقتل الأسرى وأنه لا يجوز إبقاؤهم، وقال إنه ناسخ لقوله: ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ وقيل أنه منسوخ به"(۲۹)

"اللہ تعالی کا قول: ﴿فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ الآیہ. اس آیت سے ان حضرات نے استدلال کیاہے جو کہتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کو قتل کردیاجائیگااوران کوزندہ رکھناجائز نہیں ہے،اور یہ آیت ناسخ ہے ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ کے لئے جبکہ ان کے برعکس دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ اس کو ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ کو اوپر والی آیت نے منسوخ کردیاہے۔"

اس آیت کریمہ کے تحت علامہ سیوطیؒ نے جنگی قیدیوں کامسئلہ بیان فرمایاہے مگر اس سے پہلے کہ ہم جنگی قیدیوں کا حکم بیان کرے ضروری ہے کہ اس آیت کاشان نزول بھی بیان کیاجائے تاکہ اصل مضمون سمجھے میں آسانی ہو،شان نزول کی روداد یہ ہے کہ جب بدر کامعرکہ پیش آیااور حضور (ﷺ) نے قیدیوں کافدیہ قبول کرلیاتو اللہ تعالیٰ نے درج بالا آیت "لمسّكم فيما أخذتم" نازل فرمائی جس میں فدیہ لینے پر زجر فرمائی،جامع الترمذی میں اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں بیان فرمائی گئی ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ:لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ وَجِيءَ بِالأُسَارَى قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَا تَقُولُونَ فِي هَؤُلاَءِ الأَسَارَى فَذَكَرَ فِي الحَدِيثِ قِصَّةً، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لاَ يَنْفَلِتَنَّ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلاَّ بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِلاَّ سُهَيْلَ ابْنَ بَيْضَاءَ فَإِنِّي قَدْ سَمِعْتُهُ يَذْكُرُ الإِسْلاَمَ قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، قَالَ: فَمَا رَأَيْتُنِي فِي يَوْمٍ أَخْوَفَ أَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ مِنِّي فِي ذَلِكَ اليَوْمِ، حَتَّى قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِلاَّ سُهَيْلَ ابْنَ البَيْضَاءِ،قَالَ: وَنَزَلَ القُرْآنُ بِقَوْلِ عُمَرَ: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ﴾ إِلَى آخِرِ الآيَاتِ"(۳۰)

---

(۲۹)سیوطی، الاکلیل فی استنباط التنزیل،ص:۱۳۶

(۳۰)ترمذی،السنن،ج:۲ص:۱۴۹

"حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو لایا گیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ تم لوگوں کی ان کے متعلق کیا رائے ہے؟ پھر اس حدیث میں طویل قصہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی فدیہ دیئے بغیر یا گردن دیئے بغیر نہیں چھوٹ سکے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا یا رسول اللہ! سہیل بن بیضاء کے علاوہ کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ وہ اسلام کو یاد کرتے ہیں۔ آپ (علیہ السلام) خاموش رہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود کو اس دن سے زیادہ کسی دن خوف میں مبتلا نہیں دیکھا کہ خواہ مجھ پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں۔ یہاں تک کہ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا سہیل بن بیضاء کے علاوہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق قرآن نازل ہوا﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾(۳۱)

"نبی کو نہیں چاہیئے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خونریزی نہ کر لے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا اور اللہ کے ہاں چاہیئے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا ہے۔"

اب دوسری بات یہ ہے کہ کیا یہ مذکورہ حکم منسوخ ہو چکی ہے یا تاحال باقی ہے یعنی جنگی قیدیوں سے فدیہ لینا جائز ہے کہ نہیں اس حوالے سے قاضی ثناء اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"علماء کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ امام المسلمین کا قیدیوں کو قتل کر دینے کا اختیار ہے۔ یہ آیت اسی مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی قریظہ کو قتل کرا دیا تھا اور نضر بن حارث، طعیمہ بن عدی اور عقبہ بن ابی معیط کو بھی گرفتاری کے بعد قتل کرا دیا تھا۔

قیدیوں کو چھوڑ کر بلا معاوضہ دارالحرب میں بھیج دینا 'یا تاوان لے کر دارالحرب بھیج دینا 'یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لینا 'یا ذمی بنا کر دارالاسلام میں آزادی کے ساتھ رکھنا 'یہ سب شقیں﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ کی ہیں اور علماء کا ان مسائل میں اختلاف ہے۔ امام مالک' امام شافعی 'امام احمد، سفیان ثوری، اسحاق (بن راہویہ) حسن اور عطا کا قول ہے کہ (مفت) چھوڑ دینا 'یا فدیہ لے کر رہا کرنا 'یا قیدیوں سے تبادلہ کرنا 'سب صورتیں جائز ہیں۔ امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف 'امام محمد اوزاعی 'قتادہ اور ضحاک قائل ہیں کہ مفت احسان رکھ کر چھوڑنا ناجائز ہے۔ مالی معاوضہ لے کر رہا کرنے کے متعلق امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ

---

(۳۱)سورۃ الانفال،۸/ ۶۷

بھی ناجائز ہے لیکن سیر کبیر میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیدیوں کا تبادلہ بھی ایک روایت کی رو سے ناجائز ہے۔ صاحب قدوری و ہدایہ نے یہی قول نقل کیا ہے لیکن قوی ترین روایت یہ ہے کہ تبادلہ جائز ہے۔ صاحبین کا بھی قول یہی ہے۔"(۳۲)

علامہ ابو بکر جصاصؒ اس مسئلے کے بارے میں اختصار کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

"اصحاب سیر اور غزوات کے راویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور (ﷺ) نے اس کے بعد ان سے فدیہ لیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی فدیہ دیئے بغیر جانے نہ پائے یا اس کی گردن اتار دی جائے۔ یہ بات اس کی موجب ہے کہ قیدیوں کو پکڑنے اور ان سے فدیہ وصول کرنے کی ممانعت، جس کا ذکر اس آیت ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى﴾ میں ہوا ہے اس قول باری ﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ کی بناء پر منسوخ ہو چکی ہے۔ حضور (ﷺ) نے ان سے فدیہ لیا تھا۔"(۳۳)

اب اگر یہ کہا جائے کہ اس حکم کا منسوخ ہونا کس طرح درست ہو سکتا ہے جب کہ اسی حکم کی خلاف ورزی پر اللہ کی طرف سے ناراضی کا اظہار ہوا تھا۔ ایک ہی چیز میں اباحت اور ممانعت دونوں کا وقوع ممتنع ہے، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں:

"اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ غنائم لینے اور قیدیوں کو پکڑنے کا عمل بنیادی طور پر اس وقت وقوع پذیر ہوا تھا جب اس کی ممانعت تھی، اس لئے جو کچھ انہوں نے لیا تھا اس کے یہ مالک نہیں بنے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی اباحت کر دی اور لی ہوئی چیزوں پر ان کی ملکیت کی توثیق کر دی اس لئے بعد میں جس عمل کی اباحت کر دی گئی تھی وہ اس سے مختلف تھا جس کی پہلے ممانعت کی گئی تھی۔ اس لئے ایک ہی چیز میں اباحت اور ممانعت دونوں کا وقوع لازم نہیں آیا۔"(۳۴)

(۳۲) ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ج:۴ص:۴۱

(۳۳) طبری، جامع البیان، ج:۴ص:۲۵۷

(۳۴) ایضا

صحابہ کرام قیدیوں کے فدیے لینے پر جو عتاب الٰہی ہوا اس کی وجہ سے ڈر گئے کہ کئی سارا مال غنیمت ہی حرام نہ ہو تو اللہ تعالی نے تسلی دی کہ نہیں ایسا معاملہ نہیں ہے بلکہ تمھارے لئے فدیہ کے ساتھ ساتھ دیگر مال غنیمت بھی حلال ہے، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اس کو بہترین پیرایہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

"فدیہ لینے پر جب عتاب نازل ہوا تو مسلمان ڈر گئے اور غنائم بدر سے (جن میں فدیہ اساری بھی شامل تھا) ہاتھ کھینچ لیا۔ اور اس کے حلال ہونے میں شبہ ہو گیا اس پر آئندہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کی تسلی فرمادی گئی کہ وہ اللہ کی عطا ہے اس کو خوشی سے کھاؤ مال غنیمت فی حد ذاتہ حلال اور طیب ہے اس کے طریق حصول میں تم سے لغزش ہوئی وہ معاف کر دی گئی اور یہ فدیہ ہم نے تمھارے لیے مباح کر دیا پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے جس میں یہ فدیہ بھی شامل ہے اس کو پاک اور حلال سمجھ کر کھاؤ وہ حلال ہے اور بلاشبہ پاک ہے ہمارے عتاب سے اس میں جو کراہت آئی تھی وہ اب ہماری معافی اور اباحت سے زائل ہو گئی اس آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ یہ حرام نہیں بلکہ بلاشبہ حلال ہے لہذا اس کو خدا تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر کھاؤ اور آئندہ کے لیے احتیاط رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو اور مال کی حرص اور طمع سے بچتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"(۳۵)

خلاصۂ کلام:

خلاصہ کلام اس پورے مضمون کا تین باتیں ہیں۔ پہلی بات یہ کہ جنگ سے فرار ہونے والی جماعت کے بارے میں علماء مفسرین اور فقہاء کرام کے دو مذاہب ہیں ان میں ابو سعید خدریؓ، حسن بصریؒ، ضحاک، قتادہ وغیرہ کا ہے انہوں نے آیت مذکورہ کو جنگ بدر کے ساتھ مخصوص قرار دیکر بھاگنا جائز قرار دیا جبکہ دوسرا مذہب جمہور فقہاء کرام اور علماء کا ہے جن میں آئمہ اربعہ سر فہرست ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر میدان جہاد میں ثابت قدم رہنا واجب ہے اور مقابلہ کفار سے فرار حرام ہے بجز دو صورتوں کے ایک تو یہ کہ پسپائی سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو تاکہ دشمن غافل ہو جائے پھر پلٹ کر دفعتہ اس پر حملہ کرے ظاہر میں بھاگنا ہو مگر در حقیقت مقصود حیلہ اور داؤ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی جامعت میں پناہ لینا ہو تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد و قتال کرے۔ تو ایسی پسپائی گناہ نہیں۔

دوسری بات یہ کہ بوقت تقسیم مال غنیمت کے کل پانچ حصے کیے جائینگے، ایک حصہ یتامی، مساکین اور مسافروں کا ہو گا، جبکہ باقی چار حصے جنگ میں شریک ہونے والوں پر عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کر دیے جائیں گے، پیدل مجاہد کے

---

(۳۵) کاندھلوی، محمد ادریس، (۲۰۰۲ء)، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ، لاہور۔ ج:۳ص:۱۴۱

لیے ایک حصہ اور گھڑ سوار کے لیے دو حصے، ایک حصہ اس کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے ہونگیں۔ تیسری اور آخری بات یہ کہ علماء کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ امام المسلمین کا قیدیوں کو قتل کر دینے کا اختیار ہے، رسول اللہ (ﷺ) نے پورے بنی قریظہ کو قتل کرا دیا تھا، اسی طرح قیدیوں کو چھوڑ کر بلا معاوضہ دارالحرب میں بھیج دینا، یا تاوان لے کر دار الحرب بھیج دینا، یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کر لینا، یا ذمی بنا کر دارالاسلام میں آزادی کے ساتھ رکھنا، یہ سب شقیں ﴿فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً﴾ کی ہیں اور علماء کا ان مسائل میں اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، اسحاق (بن راہویہ) حسن اور عطا کا قول ہے کہ (مفت) چھوڑ دینا، یا فدیہ لے کر رہا کرنا، یا قیدیوں سے تبادلہ کرنا، سب صورتیں جائز ہیں، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، اوزاعی، قتادہ اور ضحاک قائل ہیں کہ مفت احسان رکھ کر چھوڑنا ناجائز ہے۔ مالی معاوضہ لے کر رہا کرنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیدیوں کا تبادلہ بھی ایک روایت کی رو سے ناجائز ہے۔ صاحب قدوری و ہدایہ نے یہی قول نقل کیا ہے لیکن قوی ترین روایت یہ ہے کہ تبادلہ جائز ہے۔ صاحبین کا بھی قول یہی ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

القرآن الکریم

ازہری، پیر کرم شاہ، (س۔ن)، ترجمہ ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (۲۰۰۶ء)، دانش گاہ پنجاب، لاہور۔

بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔

بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، (۱۹۹۴ء)، السنن الکبری، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ۔

ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، (دون السنہ)، السنن، مطبعۃ مصطفی البابی۔

تھانوی، محمد بن علی، (۱۹۹۶ء)، موسوعۃ کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم، مکتبہ لبنان، بیروت۔

حریری، غلام محمد، (۱۹۹۹ء)، تاریخ تفسیر و مفسرین. فیصل آباد: ملک سنز اینڈ پبلشرز۔

چشتی، عبد الحلیم، (س۔ن)، فوائد جامعہ بر عجالہ نافعۃ، لاہور: علمی بک ڈپو۔

حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ النیسابوی، (۱۹۹۰ء)،، المستدرک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، (۱۹۹۴ء). السنن، تحقیق: شعیب الارنؤوط، دار الفکر، بیروت۔

راغب اصفہانی، محمد بن حسین ،(س۔ن)، المفردات فی غریب القران،میر محمد کتب خانہ، کراچی۔

سیوطی، جلال الدین،(۱۹۷۵ء)، کتاب التحدث بنعمۃ اللہ، المطبعۃ العربیۃ الحدیثۃ، القاہرہ

سیوطی، جلال الدین،عبد الرحمن،(س۔ن)، مقدمہ الاتقان فی علوم القرآن، کوئٹہ، مکتبہ المعروفیہ۔

سیوطی، جلال الدین،عبد الرحمن،(۱۹۸۱ء)، مقدمہ الاکلیل فی استنباط التنزیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

طبری، محمد بن جریر،(۲۰۰۰ء)، جامع البیان في تأویل آی القرآن، بیروت: مؤسسہ الرسالہ۔

عثمانی، شبیر احمد،(۲۰۰۷ء)، تفسیر عثمانی المعروف فوائد القرآن، دارالاشاعت، کراچی۔

غازی، محمود احمد،(۲۰۰۲ء)، محاضرات قرآني، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی،(س۔ن)، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان۔

قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر،(۱۹۶۴ء)، الجامع لأحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، القاہرۃ۔

قدوری، ابوالحسین احمد بن محمد،(س۔ن)، مختصر القدوری، امیر محمد کتب خانہ، کراچی

کاندہلوی، مولانا محمد ادریس،(۲۰۰۲ء)، معارف القرآن، مکتبہ عثمانیہ، لاہور۔

محمد عمیم الإحسان،(۱۴۲۴ھ)، التعریفات الفقھیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

مرغینانی، علی بن ابی بکر،(س۔ن)، الہدایہ، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ۔

نسائی، ابوعبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی، السنن، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب۔

جان دمشقی کی تصنیف "De Haeresibus" میں مباحثِ سیرت

(تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

☆ محمد حفیظ الرحمٰن

☆☆ ڈاکٹر حافظ محمد سجاد

ABSTRACT

John of Damascus is said to be a clergy man and a writer living in times of caliph Abdul Malik bin Marwan (D:86A.H.).He is also reported to enter into government service, at least until the time of al-Walid (D:102 A.H.). His book "De Haeresibus" contains some accounts about Islam, and particularly about the prophet Muhammad ﷺ. But a close analysis shows that the authenticity of that part of the said book containing these accounts are not only supremely doubtful, but also to be a concocted one by some writer other than John. The objective of this article is to elaborate and analyze the accounts of the book named "De Haeresibus", which are concerned about the seerah of the prophet Muhammad ﷺ. The critical approach is adopted in this analytical, and historical study. The published authentic data and literature including, academic books, research papers, periodicals, dictionaries, have been thoroughly reviewed. Moreover, some e-Research sources were also used where necessary in form of websites after careful evaluation and assurance of their validity and reliability. In addition, the academic discussion and consultation with senior scholars and researchers of that specific area were also involved in this study. The case has also been compared in Islamic and Christian context in addition to recommendations for its contemporary application. For references taken from the websites, complete URL, date and time of access is mentioned, while "f/n" is used to describe a reference taken from a "foot note", and "W.R.T" (with reference to) is used for the elaboration of secondary sources. For the Medieval texts and writings, their English translation is used. The important points have been analyzed in the text, while few others have been elaborated below as the foot note.

Keywords: John of Damascus, De Haeresibus, Seerah, Prophet Muhammad ﷺ.

جان دمشقی کا نام خلیفہ عبد الملک بن مروان (م: ۸۶ھ) کے دور میں ایک مصنف اور کلیسائی شخصیت کے طور پر منظر عام پر آیا،(۱) جس کے باپ سرجیئس بن منصور کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے خلفاء بنی امیہ میں سے حضرت امیر معاویہ سے لے کر عبد الملک تک کی ملازمت کی تھی۔(۲)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات گورنمنٹ ڈگری کالج (بوائز) فاضل پور، ضلع راجن پور

☆☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ فکرِ اسلامی، تاریخ وثقافت، کلیۂ عربی وعلومِ اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

اگرچہ جان کی تاریخِ وفات ۷۵۴ء بیان کی جاتی ہے، تاہم اس کی تاریخِ پیدائش کا تذکرہ کسی بھی مصدر میں نہیں ملتا۔(۳) بعض محققین کی رو سے جان پہلی صدی ہجری / ساتویں صدی عیسوی کے ثلث آخر میں قریباً ۶۷۵ء میں پیدا ہوا، اور اپنے خاندانی روایت کے مطابق سرکاری ملازمت اختیار کرنے کے بعد ولید بن عبد الملک (م:۹۷ھ / ۷۱۵ء) یا حضرت عمر بن عبد العزیز (م:۱۰۲ھ / ۷۲۰ء) کے دور تک اسی پیشہ میں رہا۔ اور غالباً حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں ہی وہ یروشلم میں مرسبا (Mar Saba) کی خانقاہ میں چلا گیا، جہاں اس نے راہب اور مصنف کے طور پر زندگی گذاری۔(۴) البتہ اس کے علاوہ جان کی حیات کے بارے میں دستیاب معلومات بہت کم ہیں، حتیٰ کہ اس کی تحاریر بھی سچائی سے عاری، یا کم از کم مشکوک سمجھی جاتی ہیں۔(۵) جان دمشقی کی اکثر تحاریر مخالف عیسائی مسالک، یعقوبیوں اور نسطوریوں کے خلاف ہی تھیں، اور اسی پر ہی اس کی زیادہ تر توجہ مرکوز رہی ہے، کیونکہ اس ساری سرگرمی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ تماثیل پرستی کا بھرپور دفاع کیا جائے۔(۶) اس نے اسلام کے خلاف براہِ راست کوئی تحریر نہیں لکھی، بلکہ اپنے تمام تصنیفی کام میں مسلمانوں کی طرف شاذ ہی توجہ مبذول کی،(۷) لیکن اسلام کی طرف سے بت پرستی کی ممانعت اور یروشلم کے کلیساؤں میں تصاویر کو مٹانے کے معاملہ نے، یروشلم میں عیسائیت اور اسلام کے مابین دوسری صدی ہجری / آٹھویں صدی عیسوی میں مسلم-عیسائی تعلقات کو خاصا نقصان پہنچایا۔(۸) چنانچہ اسی زمانہ میں جان دمشقی نے ۷۴۱-۷۵۰ء کے درمیان تماثیل پرستی کے جواز میں ایک کتاب بعنوان: "Oratio pro sanctis imaginibus" (۹) یعنی، "Orations against the calumniators of Icon" (۱۰) لکھی۔

(1)Griffith, Sidney H, "Melkites', 'Jacobites'and Christological Controversies", in, Syrian Christians Under Islam. First Thousand Years, ed: David Thomas, Brill, Leiden, 2001, p:18
(2).Ibid, p: 15
(3)Hoyland, Robert G., Seeing Islam As Others Saw It, The Darwin Press Inc., Princeton, New Jersey, 1997,
p:482
(4) Le Coz, Eerits sur L'Islam, p: 57; W.R.T. Griffith, "Melkites', 'Jacobites'and Christological Controversies", p: 21
(5)Concilia Sacra, 13, 356C-D; Theophanes, 417; W.R.T. Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It, p: 480
(6)Griffith, "Melkites', 'Jacobites' and Christological Controversies", pp: 34-36,37
(7)Ibid, p: 37
(8)Ibid, p: 27
(9) MPG,XCIV,1232-1248; Lequien, Opera,I,307-330;W.R.T., Sahas, Daniel J., John of Damascus on Islam The "Heresy of Ishmaelites", E.J. Brill, Leiden, 1972, p: 51
(10) Griffith, "Melkites', 'Jacobites' and Christological Controversies", p: 28

جان بنیادی طور پر ماہرِ الٰہیات(theologian)تھا،[1]اوراس کی ایک اہم ترین تصنیف "Fount of Knowledge"ہے، جس کے بارے میں جان کا کہنا تھا کہ یہ اس کے اپنے افکار نہیں، بلکہ کلیسا کے اولیاءوعباقرہ کے ان اقوال کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً تسلیم کیے۔[۲]

"Font of Knowledge"کے تین حصے ہیں؛

a- Capita Philosophica, or Dialectica (or philosophical chapters)

b- De Haeresibus (Compendium unde ortae sint et quomodo prodierunt)

c- Expositio accurata fidei orthodoxae, or De fide orthodoxa.[3]

ان میں پہلا حصہ عقائد کو سمجھنے کے لیے عقلی و فلسفیانہ مواد پر مشتمل ہے۔جبکہ دوسرا حصہ عقیدے میں بدعات اور اغلاط کی نشاندہی کے لیے،اور تیسرا حصہ صحیح عقیدے کی طرف رہنمائی کے لیے مختص ہے۔[۴]

مذکورہ بالا حصوں میں سے کتاب کا دوسرا حصہ تقریباً سو(۱۰۰)"بدعات"کے تذکرے پر مشتمل ہے، جن میں اسلام کا تذکرہ عیسائیت کی "بدعت"کے طور پر سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔[۵]تاہم اسلام پر لکھے گئے مذکورہ باب کے تصنیفی استناد پر کافی بحث کی جاتی رہی ہے، کیونکہ اگر یہ باب واقعی جان دمشقی نے لکھا ہے تو اسے اسلام کے خلاف اولین یونانی تحریر کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے، لیکن اس کا اسلوبِ تحریر اور طوالت ، باقی کتاب سے مختلف ہونے کے باعث اس کا استناد مشکوک ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ باب جان کی بجائے اس کے کسی معاصر نے لکھا ہو۔[۶]

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ جان نے "Font"کے مقدمہ میں "De Haeresibus"کی موجودگی کا تذکرہ کیا،اور مذکورہ بالا تینوں ابواب کی ترتیب بھی اسی طرح ہی بیان کی،البتہ بہت سے نسخہ جات میں"De Haeresibus"کو "De fide Orthodoxa"کے بعد شامل کیا گیا ہے،[۷]اور ترتیب میں تبدیلی اس بات کا مظہر ہے کہ شاید اولاً "De Haeresibus"کتاب"Font"میں شامل ہی نہ تھی،بلکہ اسے بعد میں شامل کیا گیا،اور اس نظریہ کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اولین نسخہ جات

(1)Sahas, John of Damascus on Islam., p: 52
(2).Ibid
(3)MPG, XCIV, 529-676;677-780;789-1228; W.R.T. ibid, p: 54
(4) Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It, p: 484
(5)Ibid
(6)Ibid, p:485
(7) Sahas, John of Damascus on Islam, p: 55

میں "De Haeresibus" بالکلیہ شامل ہی نہ تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس دور کے بعض ناسخین نے "Font" کو نقل کرتے ہوئے"De Haeresibus" کو اپنے منقول نسخہ کا حصہ ہی نہیں بنایا۔(۱)

مزید بر آں، یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ"De Haeresibus" کے ابتدائی ۸۰ ابواب ،اپی فینیئس آف سلامس (Epiphanius of Salamis) (۲)کی ۸۰ "بدعات"کے احوال پر مشتمل اس کی کسی تصنیف "Panarion" سے لفظ بہ لفظ نقل کیے گئے ہیں۔(۳)جبکہ اگلے بیس ابواب (۸۰-۱۰۰) میں بھی بعض سابقہ مصنفین مثلاً: (Theodoret, Timothy of Constantinopole, Sophronius of Jerusalem, Leontius of Byzantium)کی تحاریر پر انحصار کیا گیا ہے۔ (۴)جبکہ ایک اور رائے یہ بھی ہے کہ تمام سو کے سو ابواب ہی دوسرے مصنفین سے منقول ہیں، جن میں سے پہلے ۸۰ اپی فینیئس سے، جبکہ باقی متفرق مصنفین سے نقل کیے گئے ہیں ،اورآخری تین ابواب حقیقی طور پر تصنیف شدہ ہیں، البتہ یہ بھی شاید (جان کے علاوہ) کسی اور متاخر مصنف کی تحریر ہیں۔(۵)اور اس بات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ"De Haeresibus" کے آخری باب کا اختتام اس دوٹوک فقرہ سے ہوتا ہے کہ اس کتاب میں کل ۱۰۰"بدعات"کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(۶)لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ"Heresy of Ishmaelites" اصلاً باب ۱۰۰ کا ہی اختتامی حصہ تھا۔(۷)اسی طرح یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ سابقہ تمام ۱۰۰ "بدعات" کا تذکرہ کرتے ہوئے ،ہر ایک کے لیے صرف چند سطور ہی مختص کی گئی ہیں، لیکن"Heresy of Ishmaelites" پر مشتمل باب ۱۰۱ ساڑھے چار کالموں پر مشتمل ہے،جو انگریزی ترجمہ کے قریب سات صفحات پر محیط ہے۔(۸)مزید بر آں، مذکورہ باب ۱۰۱ کا اسلوبِ بیان بھی بلاشبہ باقی تمام مشمولہ ابواب سے خاصا مختلف ہے۔ اگرچہ اس میں "اسماعیلیوں"کی "بدعت"،ان کے پیغمبر (ﷺ)، کتابِ مقدس (قرآنِ مجید)، ان کے عقائد اوراعمال کا تذکرہ ہے،لیکن کئی مرتبہ یہ بیان عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین مناظرہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یوں یہ باب تاریخی مناظرہ (historical apologetic)

(1).Ibid, p:55-56

(۲)اپی فینیئس(۳۱۵-۴۰۳ء)، غزہ کے قریب الینتھیرو پولس(Elentheropolis) میں پیدا ہوا، اور وہیں ایک خانقاہی گروہ تشکیل دیا، ۳۶۷ء میں قبرص کے اساقف کی دعوت پر کانسٹینشیا(Constantia,old Salamis)کا metropolitan بنایا گیا(Sahas,ibid,p: 56)

(3)Ibid

(4)Lequien, Opera, p:74f, in, MPG,XCIV,677-678; Altaner, Patrology, p: 636; Jugie, DTC VIII, 1924, p: 697 W.R.T.ibid, p: 57

(5)Sahas, John of Damascus on Islam, ibid, f/n: 2 and f/n: 3

(6)MPG, XCIV,777B; W.R.T. Sahas, ibid, pp: 57-58, f/n: 5

(7)Sahas, John of Damascus on Islam, ibid, p: 58

(8).Ibid, p: 58

اور متعارض (controversial) تحریر کا مجموعہ بن جاتا ہے۔(1) باب۱۰۱کے جان دمشقی سے انتساب کے ضمن میں بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ باب بھی کسی دوسرے مصنف کا تحریر کردہ ہے، جبکہ بعض اسے جان کی اپنی ہی تصنیف سمجھتے ہیں۔ البتہ کچھ کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ باب میں اسلام کی جو عکاسی کی گئی ہے، اور عیسائی۔مسلم مناظرہ کو جس طرح پیش کیا گیا ہے، وہ جان کے وقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔(۲) حتیٰ کہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ مذکورہ باب 101، ۱۲ویں، ۱۳ویں صدی عیسوی کے کسی مصنف نائسٹس(Nicetas Acominatus) کی تصنیف "Thesaurus Orthodoxae Fidei" کی بیسویں کتاب (Book XX) میں لفظ بہ لفظ پایا جاتا ہے،(۳) جس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مذکورہ کتاب اصل ہے، اور اسی کے مباحث الحاقی مواد کی صورت میں مذکورہ بالا باب۱۰۱ میں شامل کیے گئے ہیں۔(۴)

گویا مذکورہ باب ۱۰۱ کا جان سے انتساب نہ صرف مختلف فیہ ہے،(۵) بلکہ اس کا استناد بھی پریشان کن (problematic) ہے۔(۶) جان سے منسوب مذکورہ بالا تصنیف کا قدیم ترین نسخہ "PG 94" ہے(۷) جس کے باب۱۰۰/۱۰۱ میں(۸) اسلام کے تعارف کے ضمن میں حضور ﷺ کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے کہ:

> "There is also the people-deceiving cult……..of Ishmaelites, the forerunner of the Antichrist.…So until the times of Heraclius they were plain idolaters. From that time till now a false prophet appeared among them, surnamed Muhammad (Mamed)(9) who, having happened upon The Old and The New Testament and apparently having conversed in like manner, with an Arian monk, put together his own heresy. And after ingratiating himself with the people by a pretense of piety, he spread roumers of a scripture brought down to him from heaven. So, having drafted some ludicrous doctrines in his book, he handed over to

(1)Ibid, p: 59
(2)Ibid, p: 61
(3)Ibid, p: 62
(4)Ibid, p: 63
(5)Ibid, p: 61
(6)Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It, p: 485
(7)Ibid, p: 484,f/n: 103
(8)Ibid, p: 485
(9).Sahas added, "the founder of Islam"after the name of Prophet Muhammad ﷺ (765 A; W.R.T. Sahas, John of Damascus on Islam, p: 73)

them this form of worship."[1] This Muhammad, as it has been mentioned, composed many frivolous tales, to each assigned a name, like the text (graphe) of the woman, in which he clearly prescribes the taking of four wives and one thousand concubines…Another is the text of the camel of God, about which he says that there was a camel from God, you say that in paradise you will have three rivers flowing with water, Wine and milk. Again Muhammad mentions the text of The Table. He says that Christ requested from God a table and it was given to him, for God, he says, told him, 'I have given you and those with you an incorruptible table'.Again he mentions the text of the Cow and several other foolish and ludicrous things."[2] He proclaimed that they be circumcised, woman as well, and he commanded neither to observe the Sabbath nor to be baptized, to eat those things forbidden in the law and to abstain from the others. Drinking of wine he forbade absolutely." (3)

"اسماعیلیوں کا ایک (معاذاللہ) دھوکے باز مذہب بھی ہے۔ جو دجال (antichrist) کا پیش رو ہے۔ ہرقل کے وقت تک وہ صریح بت پرست تھے۔[۴] اس وقت سے اب تک ان میں ایک (معاذاللہ) جھوٹے نبی کا ظہور ہوا، جس کا نام محمد ﷺ تھا۔ جو کسی طرح عہد نامہ ہائے قدیم وجدید سے متعارف ہوئے، اور بظاہر کسی آرین راہب[۵] سے مل کر اپنی ایک (معاذاللہ) "بدعت" کی تشکیل کی۔ اور پھر تقویٰ کی (معاذاللہ) ریاکاری کے ذریعے لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ بن کر انہوں نے ایک صحیفہ کی (معاذ اللہ) افواہ پھیلانا شروع کر دی، جو ان پر آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اور پھر اپنی اس کتاب[۶] میں چند (معاذاللہ) احمقانہ نظریات لکھنے کے بعد اسے

(1)John of Damascus, De haersibus C/CI,60-61(=PG 94,764A-765A), W.R.T. Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It, pp: 485-486
(2)Ibid,64-67(=PG 94, 769B-772D); W.R.T. Hoyland, ibid, p: 487
(3)Ibid, 67(=PG 94, 773A); W.R.T. Hoyland, ibid

(۴) مصنف کا مقصدِ بیان یہ ہے کہ عرب، مذہبِ اسماعیل علیہ السلام سے ہٹ کر بت پرستی میں ملوث ہو گئے تھے، اور یہ کہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے خالص مذہب کو بت پرستی اور تماثیل پرستی سے پراگندہ کر دیا گیا تھا۔ اور یہ بیان، اس ضمن میں قرآنِ حکیم کے بیانات سے بھی مطابقت رکھتا ہے۔ (Sahas, John of Damascus on Islam,,p: 71) اور عربوں کی اس بت پرستی کا تذکرہ کر کے جان نے دراصل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اس مثبت کردار، اور اس راہ میں انہیں پیش آنے والی تکالیف کا اعتراف کیا ہے جو عربوں کو توحید کی طرف واپس لانے میں برداشت کرنی پڑیں۔ (Sahas,Ibid, p: 72)

(۵) "بحیرا" کی طرف اشارہ ہے (Sahas,Ibid, p: 73) البتہ یہاں مصنف کے الفاظ سے متبادر ہوتا ہے کہ شاید اسے اس "کہانی" کی صداقت پر کامل یقین نہیں تھا۔

(۶) یعنی، قرآنِ مجید (Ibid,p: 74)

عبادت کے لیے ان(اسماعیلیوں)کے حوالے کر دیا۔اس محمد (ﷺ) نے، جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے، کئی (معاذ اللہ) بے وقوفانہ کہانیاں لکھیں، جن میں سے ہر ایک کو اس نے ایک نام دیا، مثلاً متنِ "خواتین"(۱) جس میں انہوں نے واضح طور پر چار بیویاں اور ایک ہزار کنیزیں رکھنے کی تجویز دی ہے۔(۲) اسی طرح ایک اور تحریر خدا کی اونٹنی کے بارے میں ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ خدا کی ایک اونٹنی تھی۔(۳) اور یہ کہ جنت میں تین نہریں، پانی، شراب اور دودھ کی ہوں گی۔(۴) پھر محمد (ﷺ) نے دستر خوان کا ذکر کیا، اور کہا کہ مسیح(علیہ السلام) نے خدا سے ایک دستر خوان کی درخواست کی جو انہیں دے دیا گیا، اور خدا نے انہیں(مسیح علیہ السلام کو) بتایا کہ میں تجھے اور جو تیرے ساتھ ہیں، ان کو دستر خوان دے رہا ہوں جو کبھی خراب نہ ہونے والا ہے۔(۵) اسی طرح انہوں نے گائے کا مضمون بیان کیا ہے۔(۶) اور اس طرح کی دیگر کئی (معاذاللہ) احمقانہ اور بے سروپا چیزیں بیان کی ہیں۔انہوں نے کہا کہ وہ ختنہ کرائیں، عورتیں بھی۔(۷) اور سبت اور بپتسمہ کی مناہی کر

---

(۱) غالباً سورۃ"النساء"کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) اس آیت کی طرف اشارہ ہے،﴿فانكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ..﴾(النساء،۴: ۳) لیکن یہاں، یا پورے قرآنِ مجید میں کہیں بھی ایک ہزار کنیزیں رکھنے کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۳) "ناقة الله" کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے لیے بطور معجزہ تھی، اور جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم کی بعض سورتوں میں کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الاعراف،۷: ۷۳؛ہود،۱۱: ۶۴؛الشعراء،۲۶: ۱۵۵؛الشمس،۹۱ : ۱۳

(۴) غالباً قرآنِ حکیم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے،﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى﴾(محمد،۴۷: ۱۵)

(۵) یہاں بھی قرآنِ حکیم کی ان آیات کی طرف اشارہ ہے کہ،﴿قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَO قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾(المائدۃ،۵: ۱۱۴-۱۱۵) "لیکن مصنف کی" کبھی خراب نہ ہونے "والی بات کے برعکس یہاں اس کے کفر کی پاداش میں غیر مماثل عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

(۶) سورۃ البقرہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۷) عورتوں کے ختنہ کے حوالہ سے شریعت میں کوئی حکم نہیں، البتہ ایک حدیث میں حضور ﷺ سے یہ امر نقل کیا گیا ہے کہ: "أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدينة فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ:"لَا تُنْهِكِي، فَإِنَّ ذَلِكَ أَحْظَى لِلْمَرْأَةِ وَأَحَبُّ إِلَى الْبَعْلِ" (ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، **السنن**، تحقیق: شعیب الارنؤط ومحمد کامل قرہ بللی، دار الرسالۃ العالمیۃ، ط: ۱، ۱۴۳۰ھ، حدیث:۵۲۷۱)" اور اس حدیث کے بارے میں ابوداؤدؒ کی ہی رائے یہ ہے کہ:"لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ، وَقَدْ رُوِيَ مُرسلا، قَالَ أبو داود: وَمُحَمَّدُ بْنُ حَسَّانَ مَجْهُولٌ وَهَذَا الْحَدِيثُ ضَعِيفٌ."(حوالہ بالا)"یہ حدیث قوی نہیں ہے، وہ مرسلاً بھی روایت کی گئی ہے۔"ابوداؤد کہتے ہیں: محمد بن حسان مجہول ہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ گویا یہ حدیث بھی جان کے مذکورہ بالا دعویٰ کی تائید نہیں کرتی۔

دی۔ (۱) اوران چیزوں کے کھانے کا حکم دیاجو قانونِ (موسوی) میں ممنوع تھیں۔ (۲) اور شراب نوشی کو مکمل طور پر ممنوع قرار دے دیا۔ (۳)

مذکورہ بالا اقتباس میں اسلام کے لیے مستعمل لفظ "σχεια" کے طور پر پڑھا گیا، جس کا لاطینی ترجمہ "superstilio" کیا گیا، لیکن یہ لفظ اس صورت میں یونانی میں شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ بعض محققین نے اس لفظ کو "σχια" کے طور پر شناخت کیا، اور اس کے معنی ظاہراً "روحانی تاریکی" یا "غلطی" کے طور پر لیے ہیں، جیسا کہ بائبل میں، متی، ۴: ۱۶؛ لوقا، ۱: ۷۹؛ یوحنا، ۱: ۵؛ ۸: ۱۲؛ ایوحنا، ۱: ۵؛ ۲: ۸-۱۱ میں بیان ہوا۔ (۴) لیکن اگر اس لفظ کا معنی دیکھا جائے تو یہ "شیعہ" کا ہم معنی معلوم ہوتا ہے۔ (۵) گویا یہاں شاید یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ اسلام (معاذاللہ) عیسائیت کا ہی کوئی گمراہ فرقہ ہے، جس کے لیے مصنف نے دجال کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ لیکن یہاں بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس سے قبل بھی یہ

---

(۱) عہد نامۂ قدیم میں سبت کا فلسفہ یوں بیان ہوا کہ، بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ چھ دن کام کاج کریں، لیکن ساتویں دن کسی قسم کا کوئی کام نہ کیا جائے، کیونکہ خداوند نے چھ دن میں آسمان اور زمین، اور جو کچھ ان کے مابین ہے، پیدا کی، اور ساتویں دن (معاذاللہ) آرام کیا۔ اسی لیے خداوند نے سبت کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔ (خروج، ۲۰: ۸-۱۱) اور یہی بات بائبل کے آغاز میں بھی ملتی ہے کہ، چھ دن میں زمین و آسمان کی تخلیق کے بعد، ساتویں دن خدا اپنے سارے کاموں سے (معاذاللہ) فارغ ہوا، اور اسی فراغت کے باعث ساتویں دن (یعنی سبت) کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا (پیدائش، ۲: ۲-۳) لیکن قرآنِ حکیم میں اس سارے فلسفے کو ہی غلط قرار دے کر فرمایا گیا کہ: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ﴾ (ق، ۵۰: ۳۸) "اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا۔" بنابریں بائبل میں موجود آیات کی رو سے دیکھا جائے تو "سبت" کا فلسفہ ہی لغو قرار پاتا ہے۔

(۲) واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے بھی وہ سب چیزیں حلال تھیں، جو دوسروں (یعنی مسلمانوں) کے لیے حلال ہیں، البتہ بعض چیزوں کو یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نزول سے بھی کئی صدیوں قبل، از خود اپنے لیے حرام قرار دے دیا۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں بھی ارشاد ہوا کہ: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ﴾ (آل عمران، ۳: ۹۳)

(۳) قرآنِ حکیم کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدہ، ۵: ۹۰) "اے ایمان والو یہ شراب اور یہ جوا یہ آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" واضح رہے کہ شراب کی حرمت کا تذکرہ بائبل میں بھی موجود ہے، مثلاً، احبار، ۱۰: ۸-۹؛ گنتی، ۶: ۳؛ تثنیہ، ۲۸: ۳۹؛ امثال، ۲۰: ۱؛ ۳۱: ۴؛ لوقا، ۱: ۱۵؛ افسیوں، ۵: ۱۸۔ لہٰذا ان اقتباسات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی جانب سے حرمت خمر کا حکم نہ تو نیا ہے، اور نہ ہی (معاذ اللہ) قابلِ مذمت، بلکہ قابلِ تعریف اور دینِ خداوندی کے عین مطابق ہے۔

(4)Sahas, John of Damascus on Islam, p:68

(5)(https://www.google.com.pk/search?q=google+translate&rlz=1C1CHBF_enPK725PK728&oq=goo&aqs=chrome.0.0l2j69i60j69i57j0j69i60.2327j0j8&sourceid=chrome&ie=UTF-8), accessed: 26-09-2017, 5:56 PM

اصطلاحِ دجال شہنشاہ لیو سوم، اس کے بیٹے، قسطنطین پنجم، قسطنطنیہ کے بطریق یوحنا ہفتم، اور دیگر ان شخصیات کے خلاف بھی مستعمل رہی ہے جن کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ روایتی(Orthodox) مذہب، اور کلیسا کے اساسی عقیدہ سے "گمراہ" ہو چکے ہیں۔ اور جان نے"De Fide Orthodoxa" میں نہ صرف "دجال"(antichrist) کو شیطان قرار دیا، بلکہ ہر اس شخص کو "دجال" قرار دیا جو حضرت مسیح علیہ السلام کی "ابنیت" اور "الوہیت" کا انکاری ہو۔(1) اور اس اصطلاح نے اسلام کے متعلق عیسائیوں کے مخصوص رجحان کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کیا، البتہ مصنف نے یہاں حضور ﷺ کو (معاذ اللہ) دجال کا پیش رو نہیں کہا بلکہ اس اصطلاح کا استعمال "اسلام" کے لیے کیا ہے۔(۲)

جان نے خدا تعالیٰ کے بارے میں حضور ﷺ کی تعلیمات کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ:

"He says that there is one god, creator of all, who is neither begotten, nor has begotten."(3)

"وہ کہتا ہے کہ خدا صرف ایک ہی ہے، جو سب کا خالق ہے، جو نہ تو کسی سے جنا گیا، اور نہ کوئی اس سے جنا گیا۔"

مذکورہ بالا اقتباس میں واضح طور پر سورۃ الاخلاص کی آیات کا بیان ملتا ہے، یعنی، ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾(۴)، ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ﴾(۵)

یہ بیان خالصتاً توحید کے ضمن میں ہے، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف اس نکتہ کو یقیناً سمجھتا تھا کہ قرآن، اور مسلمانوں کے عقیدہ کی اساس "توحید" ہے، جو جان کے اس نکتہ نظر کے بھی مطابق ہے جو اس نے "De Fide Orthodoxa" میں بیان کیا کہ:

"We believe in one God, one in principle, without beginning, uncreated, unbegotten, indestructible and immortal, eternal, unlimited, uncircumscribed, unbounded, infinite in power, simple, un-composed, incorporeal, unchanging, unaffected, un-alterate, invisible, source of goodness and justice, light, intellectual and inaccessible, maker of all things visible and invisible…"(6)

(1)Sahas, John of Damascus on Islam, p: 69
(2)Ibid, f/n:7
(3)Ibid, p: 75

(۴)سورۃ الاخلاص، ۱۱۲: ۱

(۵)سورۃ الاخلاص، ۱۱۲: ۳

(6).MPG, XCIV,808 B-C, cf. Chase, Saint john, p: 176;W.R.T. Sahas, John of Damascus on Islam, p: 75

"ہم ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں، اپنے اصل میں ایک، جس کی کوئی ابتداء نہیں، غیر مخلوق، غیر مولود، غیر متزلزل اور غیر فانی، دائمی، غیر محدود، لامحدود، اپنی قوت میں لامتناہی، سادہ، غیر مرکب، غیر مجسم، غیر متغیر، غیر فرضی، غیر مُبدَّل، غیر مرئی، اچھائی اور انصاف کا منبع، نور عقلی اور نارسا، تمام مرئی وغیر مرئی اشیاء کا خالق۔"

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں حضور ﷺ کی تعلیمات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"He says that Christ is the Word of [from]God and his Spirit created, and a servant born from Mary, the sister of Moses and Aron without seed [i.e. without human father], because the Word of God entered Mary, and she gave birth to Jesus, a prophet and a servant of God, and that the Jews, violating the law wanted to crucify him and they seized him, but they crucified his shadow, and Christ himself was not crucified, they say, nor did he die; God took him up to heaven unto Himself because he loved Him. And he says that when he ascended into heaven God asked him, "Jesus did you say that I am son of God?" And Jesus answered, "Be merciful to me, O Lord; you know that I did not say so, neither shall I boast that I am your servant, but men, who have gone astray wrote that I said this thing, and they spoke lies against me, and they are in error." And God answered to him: "I know that you would not say this thing."[(1)]

"وہ ﷺ کہتا ہے کہ مسیح (علیہ السلام) خدا کا (اس کی طرف سے) کلمہ[(۲)]، اس کی روح[(۳)]، مخلوق[(۴)]، اور ایک غلام[(۵)] تھا، جو مریم سے بغیر باپ کے[(۱)] پیدا ہوا،[(۲)] جو موسیٰ وہارون کی بہن تھیں،[(۳)] اور یوں خدا کا

(1).765A-C; W.R.T. Sahas, John of Damascus on Islam, p: 78

(۲) قرآنِ مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ ہے کہ: ﴿كَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾(آل عمران،۳: ۳۹)، ﴿كَلِمَةٍ مِنه﴾(آل عمران،۳: ۴۵)، ﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾(النساء،۴: ۱۷۱)

(۳) ﴿وَرُوْح مِّنه﴾ (النساء،۴: ۱۷۱)؛ ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا﴾(الانبیاء،۲۱: ۹۱)؛ ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾(التحریم،۶۶: ۱۲)

(۴) ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ﴾(آل عمران،۳: ۵۹)

(۵) ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ﴾(النساء،۴: ۱۷۲)؛ ﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾(مریم،۱۹: ۳۰)

کلمہ مریم میں داخل ہوا، اور انہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو جنا، جو نبی[(۴)] اور اللہ کے بندے تھے۔ اور یہ کہ یہود نے قانون (شریعتِ موسوی) کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انہیں سولی دینا چاہی، اور انہوں نے انہیں گرفتار کرلیا، لیکن انہوں نے ان کے سایہ کو سولی دی۔[(۵)] اور مسیح (علیہ السلام) کو بذاتِ خود سولی نہیں دی گئی، اور وہ کہتے ہیں کہ نہ ہی انہوں نے وفات پائی، بلکہ خدا نے ان کو اپنی طرف آسمان پر اٹھالیا[(۶)] کیونکہ وہ ان سے محبت کرتا تھا۔ اور وہ ﷺ کہتے ہیں کہ جب وہ (مسیح علیہ السلام) آسمان پر اٹھالیے گئے تو خدا نے ان سے پوچھا کہ، یسوع کیا تم نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں؟ اور مسیح (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ، اے خدا مجھ پر رحم فرما، تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا، اور نہ ہی میں اس بات پر غرور کروں گا کہ میں تیرا بندہ ہوں، لیکن جو لوگ گمراہ ہوئے انہوں نے یہ لکھا کہ میں نے ایسا کہا ہے، اور انہوں نے میرے خلاف جھوٹ بولا، اور وہ غلطی میں ہیں۔ اور خدا نے ان کو جواب دیا کہ، میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہ کہوگے۔[(۷)]

---

(۱) جیسا کہ مریم علیہ السلام نے بھی اظہارِ حیرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ﴿قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ (آل عمران، ۳: ۴۷)، ﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ (مریم، ۱۹: ۲۰)

(۲) قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ کرتے ہوئے انہیں ﴿عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ یا ﴿الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ کہا گیا ہے۔ مثلاً، البقرہ، ۲: ۸۷، ۲۵۳؛ آل عمران، ۳: ۳۶، ۴۵؛ النساء، ۴: ۱۵۷، ۱۷۱؛ المائدہ، ۵: ۱۷، ۴۶، ۷۲، ۷۵، ۷۸، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۶؛ التوبہ، ۹: ۳۱؛ مریم، ۱۹: ۳۴؛ الاحزاب، ۳۳: ۷؛ الحدید، ۵۷: ۲۷؛ الصف، ۶۱: ۶، ۱۴

(۳) قرآنِ حکیم میں حضرت مریم علیہا السلام کو ﴿يَا أُخْتَ هَارُوْنَ﴾ (مریم، ۱۹: ۲۸) کہہ کر بھی بیان کیا گیا ہے، البتہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ واقعۃً ہارون نبی علیہ السلام کی سگی بہن تھیں، بلکہ اس طرح تخاطب کے دو احتمال ہوسکتے ہیں، یا تو ان کا کوئی ہارون نامی بھائی ہو، یا حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہونے کے باعث کیا گیا ہو۔ (الطبري، محمد بن جرير الطبري، (۱۴۲۰ھ)، جامع البيان في تأويل القرآن، ت: أحمد محمد شاكر، مؤسسة الرسالة، ط: ۱۔ ج: ۱۸، ص: ۱۸۶- ۱۸۷)

(۴) جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا کہ، ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ (المائدہ، ۵: ۷۵)؛ اور ﴿قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا﴾ (مریم، ۱۹: ۳۰)؛ جبکہ سورہ احزاب (۳۳: ۷) میں بھی انہیں انبیاء علیہم السلام کے زمرہ میں شمار کیا گیا ہے۔

(۵) اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ--- وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ (النساء، ۴: ۱۵۷)

(۶) جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا کہ، ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ﴾ (النساء، ۴: ۱۵۸)، البتہ "وہ ان سے محبت کرتا تھا" کے الفاظ مذکورہ آیت میں نہیں ہیں۔

(۷) یہ سارا مکالمہ دراصل قرآنِ حکیم کی ان آیات سے مستعار معلوم ہوتا ہے کہ، ﴿ {وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ o مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (المائدہ، ۵: ۱۱۶-۱۱۷)

سطورِ بالا میں مندرج اقتباسات کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جان کو قرآنی تعلیمات اور الفاظ کا بخوبی علم تھا،(۱) جن میں حسبِ منشاء کتر بیونت کر کے اپنا مؤقف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ نبوت کے ضمن میں جان نے دو سوالات اٹھائے کہ:

"who is the one who gives witness that God gave him a book? Who of the prophets foretold that such a prophet would arise?"(2)

"اس بات کا کون گواہ ہے کہ خدا نے انہیں صلی اللہ علیہ وسلم ایک کتاب دی؟اور کن انبیاء نے بتایا کہ ایک ایسا نبی مبعوث ہو گا؟"

جان نے یہ سوالات اس انداز میں نقل کیے ہیں جیسے یہ ایک عیسائی کے کسی مسلمان کے ساتھ مناظرے میں اٹھائے گئے تھے،(۳) اور پھر وہ اس مسلمان کی طرف سے جواب بھی نقل کرتا ہے کہ:

"While he [Muhammad] was a sleep the scripture came down to him."(4)

"جب وہ سوئے ہوئے تھے تو کتاب ان پر نازل ہوئی۔"

غالباً اس جواب میں "لیلۃ القدر" کی طرف اشارہ ہے، حالانکہ اس میں کہیں بھی یہ تذکرہ نہیں کیا گیا کہ حضرت محمد ﷺ پر قرآن حالتِ نوم میں نازل کیا گیا تھا۔(۵) لیکن اس میں شاید ابنِ اسحٰق کی اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں بیان کیا گیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ جبرائیل ایک ریشمی رومال لے کر آئے اور کہا کہ اسے پڑھیں۔(۶) پس وہ روایت اس طرح نقل کی گئی کہ،

"حتى إذا كانت الليلة التي أكرمه الله عز وجل فيها برسالته، ورحم العباد به جاءه جبريل بأمر الله تعالى فقال رسول الله ﷺ جاءني وأنا نائم فقال: إقرأ، فقلت: وما أقرأ؟ ثم انتهى فانصرف عني، وهببت من نومي، وكأنما صورفي قلبي كتاب-"(۷)

(1)Sahas, John of Damascus on Islam, p: 79
(2)765C; W.R.T. Ibid.
(3)Sahas, ibid.
(4)768 A, W.R.T., ibid.
(5)Sahas, ibid.
(6)Ibid, pp: 79-80

(۷)ابنِ اسحٰق، محمد المطلبی، (۱۳۹۸ھ)، کتاب السیر والمغازی، ت: ڈاکٹر سہیل زکار، دار الفکر، بیروت، ط:۱۔ ص:۱۲۱

"جس رات کو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرفِ رسالت سے نوازااورآپ کے ذریعے بندوں پر رحمت فرمائی،تو جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر آئے۔پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے پاس اس حال میں آئے کہ میں سو رہا تھا،پس انہوں نے کہا کہ پڑھو،میں نے کہ میں کیا پڑھوں؟۔۔۔ پھر وہ رک گئے،اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔میں اپنی نیند سے اس حال میں بیدار ہوا کہ میرے دل پر یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔"

اولاًتو ابنِ اسحٰق کی مذکورہ بالا روایت میں "ریشمی کپڑے"والی کوئی بات مذکور نہیں،ثانیاًیہ روایت ان روایات سے مختلف ہے جو صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔مثلاً،

"حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاء فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ: فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ:فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ"(۱).(۲)

"حتیٰ کہ آپ ﷺ کے پاس غار حرا میں حق آیا،چنانچہ آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھیے،آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں،آپ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ مجھے فرشتے نے پکڑ کر زور سے دبایا، یہاں تک کہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی،پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے!میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں،پھر دوسری بار مجھے پکڑا اور زور سے دبایا،یہاں تک کہ میری طاقت جواب دینے لگی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے! میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں،آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تیسری بار پکڑ کر مجھے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا پڑھیے!اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا،پڑھ اور تیرا رب سب سے بزرگ ہے،رسول اللہ ﷺ نے اسے دہرایا اس حال میں کہ آپ ﷺ کا دل کانپ رہا تھا۔"

اور اس روایت میں "حالت نوم"والی کوئی بات مذکور ہی نہیں ہے۔گویا جان نے اس ضمن میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے روایات سے تلاعب کا مظاہرہ کیا ہے۔

---

(۱)سورۃ العلق،۹۶: ۱-۳

(۲)بخاری،الصحیح،ج۱،ص۴،رقم:۳

لیکن جہاں تک حضور ﷺ پر نزولِ وحی کے مشاہدہ کی بات ہے تو اس ضمن میں بھی یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نزولِ وحی کی کیفیات کی شدت ایک قابلِ مشاہدہ امر تھا، جس کا تذکرہ احادیث میں یوں ملتا ہے کہ،

"قَالَتْ عَائِشَةُ ؓ وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيدِ الْبَرْدِ فَيَفْصِمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِينَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا"(۱)

"حضرت عائشہ ؓ نے بیان کیا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا۔"

البتہ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے الواح عطا کی گئیں تو اس ضمن میں نہ صرف یہ کہ اس امر کا کوئی شاہد موجود نہیں تھا،(۲) بلکہ احکامِ عشرہ عطا کرنے کے لیے بلایا تو اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع کر دیا کہ کوئی انسان موجود نہ ہو، حتیٰ کہ کوئی جانور بھی اس موقع پر پہاڑ کے سامنے بھی نہ چرنے پائیں۔(۳) تو ایسی صورت میں کیا جان کے مذکورہ بالا اپنے اعتراض کا اطلاق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی "الواح" پر بھی کیا جا سکتا ہے؟

نتائجِ بحث:

زیرِ نظر مصدر میں اگرچہ حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے حوالے سے براہِ راست بیانات کم ملتے ہیں، اور زیادہ تر بیانات حضور ﷺ کی تعلیمات کے ضمن میں پائے جاتے ہیں، تاہم ان میں بھی تلاعب کا عنصر نظر آتا ہے، جبکہ اس مصدر کی استنادی حیثیت بھی غیر واضح، اور ناقابلِ اعتماد ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے متعلقہ عبارات جان کی اپنی تصنیف شدہ نہیں، بلکہ بعد کے کسی محرر کا الحاقی مواد ہے، جسے جان کی کتاب میں شاید اس لیے درج کیا گیا تھا کہ اس کی تصنیفی اور مذہبی حیثیت کے باعث عام عیسائیوں کو اسلام اور حضور ﷺ سے (معاذ اللہ) متنفر کیا جا سکے۔ البتہ منافرت کا یہ سلسلہ جیسے جان کے اپنے دور میں جاری تھا، عصرِ حاضر میں بھی انہی محرکات کے تحت جان سے منسوب ان تحاریر کو شائع اور فروغ دیا جا رہا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ مغرب میں چھپنے والی اس قسم کی تمام تحاریر کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ کیا جائے، تاکہ قرونِ وسطیٰ کے عیسائیوں کی مذہبی نفسیات، اور عصرِ حاضر کے عیسائیوں کی

(۱) مالک بن أنس، الموطأ، ص ۲۰۲، رقم: ۴۷۵

(2)Exodus, 25: 12-18
(3)Ibid, 34: 1-6

جانب سے ان کے استعمال سے بھرپور واقفیت حاصل ہو سکے۔ اور اسی واقفیت سے اسلام کی دعوت و تبلیغ، یا مناظرہ ومجادلہ کے لیے استفادہ کیا جاسکے۔

☆☆☆☆☆

مصادر ومراجع

۱. القرآن الکریم
۲. احمد بن حنبل، (س۔ن)، المسند، مؤسسۃ قرطبہ، مصر۔
۳. بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (۱۹۸۷ء)، الصحیح، دار ابن کثیر، بیروت۔
۴. ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی، (۱۴۱۲ھ)، السنن، مطبعۃ مصطفی البابی۔
۵. ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، (۱۹۹۴ء)، السنن، تحقیق: شعیب الارنؤوط، دار الفکر، بیروت۔
۶. طبری، محمد بن جریر، (۱۴۲۰ھ)، جامع البیان، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسہ الرسالہ
۷. ابن اسحاق، محمد المطلبی، (۱۳۹۸ھ)، کتاب السیر والمغازی، تحقیق: ڈاکٹر سہیل زکار، دار الفکر، بیروت
۸. مالک بن انس، (س۔ن)، الموطأ، دار احیاء التراث العربی، مصر۔

9. Griffith, Sidney H, "Melkites', 'Jacobites'and Christological Controversies", in, Syrian Christians Under Islam. First Thousand Years, ed: David Thomas, Brill, Leiden, 2001, p:18(Hoyland, Robert G., Seeing Islam As Others Saw It, The Darwin Press Inc., Princeton, New Jersey, 1997
10. Le Coz, Eerits sur L'Islam, p: 57; W.R.T. Griffith, "Melkites', 'Jacobites'and Christological Controversies", p: 21
11. Concilia Sacra, 13, 356C-D; Theophanes, 417; W.R.T. Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It, p: 480
12. Sahas, John of Damascus on Islam.
13. Hoyland, Seeing Islam As Others Saw It
14. (https://www.google.com.pk/search?q=google+translate&rlz=1C1CHBF_enPK725PK728&oq=goo&aqs=chrome.0.0l2j69i60j69i57j0j69i60.2327j0j8&sourceid=chrome&ie=UTF-8), accessed: 26-09-2017, 5:56 PM

امام غزالی کے نزدیک تزکیۂ نفس اور اُس کے مدارج

☆ محمد اقبال

☆☆ محمد انوار الحسنین

ABSTRACT

Imam Abu Hamid Muhammad b. Muhammad b.Ahmad al-Ghazali was born in the city of Toos in 450 A.H and died in 505 A.H. Imam Ghazali was a prolific and eminent scholar of Islam who, has rendered vast literature in Philosophy, Jurisprudence and Principles of Jurisprudence, Theology, Sufism and on many other dimensions of Islam. He has command in all subjects but, at the same time he was also a pre-eminent Sufi. He is considered as authority among Sufis. He has written a vast literature on Spirituality and guided mankind that how can they achieve high spiritual levels. He has particularly emphasized on the purification of lower-self and explicitly enunciate that one must have to overcome his inferior traits of lower-self. In this article we will discuss the teachings of Imam Ghazali regarding the purification of the heart and lower-self.

Keywords: Ghazali, Purification, Heart, Spirit, knowledge, disease

انسانی نفس کا تزکیہ و تصفیہ اور تہذیب و آرائش کا بنیادی منبع قرآن و سنت ہے۔ لیکن مرورِ زمانہ اور مادّیت پرستی کے عام ہو جانے کی وجہ سے انسانی احوال و ظروف میں تغیر واقع ہو گیا اور انسان اپنے نفس کو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جھکانے کی بجائے اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ سے روگردانی کرنے لگا۔ انسانی نفس کی اِصلاح اللہ کے قرآن اور نبی ﷺ کے فرمان ہی سے ممکن ہے۔ قرآن اور حدیث نبوی نے جو نظریہ احوالِ انسانی کی اصلاح کا اسلام نے دیا ہے وہ کوئی اور مذہب نہیں دیتا۔

اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں انسانی نفوس کے تزکیہ و تزئین کے لیے مختلف مقامات پر ارشادات فرمائے ہیں۔ اللہ تعالی نے قرآنِ پاک میں انسانی قلوب و نفوس کے تزکیہ، آرائش و سکون کے مختلف مدارج بیان فرمائے

☆ پی۔ایچ۔ڈی اسکالر، منہاج یونیورسٹی، لاہور

☆☆ ایم۔فل۔ منہاج یونیورسٹی، لاہور

ہیں۔ تزکیہ نفس کے ذریعے انسانی فکر و عمل کی اصلاح ہوتی ہے اور بدی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ قرآن و سنت میں انسان کی اصلاح میں انسانی نفس کو اساسی مقام حاصل ہے۔ انسانی نفس اور قلب اگر درست ہو گا تو انسان کے تمام اعمال و کردار درست ہوں گے، اگر قلب میں خرابی واقع ہو گئی تو انسانی سٹرکچر میں خرابی و بربادی واقع ہو جائے گی۔ اسلام ایسا دینِ فطرت ہے کہ اس میں تمام عبادات تزکیہ نفس اور اصلاحِ قلوب واذہان کا کام کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تزکیہ نفس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا﴾(۱) بیشک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشو و نما کی)۔ اور یہ نہیں فرمایا کہ ﴿قد أفلح من تعلم كيفية تزكيتها﴾ کہ ضرور فلاح پاگیا وہ شخص جس نے تزکیہ نفس کی کیفیت سیکھی"۔(۲)

دل کو اعمالِ خسیسہ سے پاک صاف کرنے اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا نام تزکیہ نفس ہے۔ کیونکہ پاک وصاف دل اللہ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہو گا، اور تزکیہ نفس کا فائدہ یہ ہو گا کہ انسان اللہ کی بارگاہ کے قریب ہو جائے گا۔ تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کا سرچشمہ نبی مکرّم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات میں ان عیوب سے بچنے کی بھی تاکید فرمائی ہے جو نفس کو اتنا کثیف کر دیتے ہیں کہ پھر مسلمان نہ تو دین کی پابندی کر سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی معاشرہ کا ایک فرد کہلا سکتا ہے۔ اس بات کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ تزکیہ کا عمل زمین کے ایک ٹکڑے پر بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس کو پہلے جھاڑ جھنکار سے صاف کیا جائے، اس کی ناہمواریوں کو ہموار کیا جائے پھر اس پر ہل چلا کر اس کو نرم بنایا جائے، پھر کھاد اور پانی دے کر اس کو قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق کسی صالح بیج کو نشو و نما دے سکتے اور اس سے پھل اور پھول حاصل ہو سکیں۔

انسانی نفس و قلب کا تزکیہ یہ ہو گا کہ اس کے اندر جو غلط افکار و نظریات جڑ پکڑ گئے ہیں ان کی جڑیں اکھاڑی جائیں، جاہلی عادات و اخلاق نے اس کے اندر جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کو دور کیا جائے۔ فانی اور نفسانی لذتوں کا علاج کیا جائے اور اپنی ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے اس بلند مرتبہ تک پہنچ سکے جس مرتبہ تک پہنچے کی اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر قابلیت رکھی ہے۔

---

(۱)سورۃ الشمس، ۹/۹۱

(۲)غزالی، أبو حامد محمد بن محمد الغزالی، (دون السنۃ)، إحیاء علوم الدین، دار المعرفہ، بیروت، لبنان۔ ج۳، ص ۳۸۸

تزکیہ نفس کا مفہوم:

شریعت اسلامیہ میں تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو ان ممنوع معیوب اور مکروہ امور سے پاک صاف رکھے جنہیں قرآن وسنت میں ممنوع معیوب اور مکروہ کہا گیا ہے۔ گویا نفس کو گناہ اور عیب دار کاموں کی آلودگی سے پاک صاف کرلینا اور اسے قرآن وسنت کی روشنی میں محمود ومحبوب اور خوب صورت خیالات وامور سے آراستہ رکھنا نفس کا تزکیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو جن اہم امور کے لیے مبعوث فرمایا ان میں سے ایک تزکیہ نفس بھی ہے۔ دین کا بنیادی مقصد نفس کا تزکیہ کرنا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد انسانی نفس کو آلائشوں سے پاک کرنا ہے تاکہ وہ جنت کا شہری بننے کے قابل ہوسکے۔ اگر کسی کے بدن پر کیچڑ لگی ہو تو وہ کسی محفل میں بیٹھنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ بالکل اسی طرح ایک ایسی شخصیت (نفس) جو اخلاقی، معاشی یا کسی اور سطح کی گندگی میں لتھڑی ہوئی ہو وہ کیسے خدا کی پاکیزہ جنت کا حصہ بن سکتی ہے۔

تزکیہ نفس کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے لیکن آج اس کی اشد ضرورت ہے اس لئے کہ جو لوگ علم سے کورے ہیں وہ اس اصطلاح کو نیا اور بے معنی سمجھتے ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ تزکیہ کا مادہ اشتقاق ''ز ک و'' ہے۔ تمام آئمہ و لغویین کے نزدیک اس لفظ کا معنی: پاک صاف کرنا، درست کرنا، پھلنا پھولنا، میل کچیل، زنگ، گندگی وغیرہ سے پاک کرنا، بڑھانا، نشو نما دینا اور تعریف کرنا ہے۔

تزکیہ نفس کا تقاضا

تزکیہ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کے حصول میں کوشاں ہو اور انہیں اپنائے جن سے شخصیت پاکیزہ ہو جائے اور اسکا شمار قابل تحسین انسانوں میں ہو۔ جس طرح عمدہ لباس پہن لینے سے کوئی بھی خوبصورت نہیں ہو جاتا اسی طرح نفس کی پاکی کے بغیر ظاہری اطوار و اعمال اگر اچھے ہوں تو وہ انسان پاکباز اور اچھا نہیں ہو سکے گا۔

تعارف امام غزالی:

حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد بن احمد غزالی طوس میں (۴۵۰) ہجری کو پیدا ہوئے۔[1] اور وہیں پر آپ نے (۵۰۵ھ) کو وفات پائی۔[1] آپ کے والدِ گرامی صوف کاتنے کا کام کرتے تھے اور ان کی طوس شہر میں ایک دکان تھی

(۱)جمال الدین علي بن یوسف، (۱۹۸۲ء)، إنباہ الرواۃ علی أنباہ النحاۃ، الناشر: دار الفکر العربي، القاھرہ، ومؤسسہ الکتب الثقافیہ، بیروت۔ج ۱، ص۱۲۱

جس میں وہ صوف کا کاروبار کرتے تھے[۲] امام غزالی کے والدِ گرامی کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے اپنے ایک نیک دوست کو اپنے دونوں بیٹوں یعنی امام ابو حامد غزالی اور احمد غزالی کی تعلیم وتربیت کے متعلق وصیت کی۔[۳]

حصولِ علم

امام غزالی نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے شیخ امام احمد راذکانی سے "طوس" شہر میں ہی حاصل کی۔ پھر آپ نے جرجان کی طرف امام ابو نصر اسماعیلی سے حصول علم کے لیے سفر کیا اور اُن سے حدیث کا سماع کیا اور اُن سے چند تعلیقات کو لکھا اور پھر اپنے شہر طوس میں واپس تشریف لے آئے۔[۴]

اس کے بعد امام غزالی مزید حصولِ علم کی طلب کے لیے نیساپور تشریف لائے جہاں آپ نے وقت کے شیخ امام الحرمین امام جوینی (م۴۷۸ھ) سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ نے اُن نے منطق، حکمت، فلسفہ جیسے علوم وفنون پڑھے اور آپ ذہین وفطین اور مناظرہ کے میدان میں مشہور ہوئے۔[۵]

امام غزالی نیساپور میں ہی قیام پذیر رہے اور امام الحرمین کی وفات کے بعد آپ وہاں سے بغداد کا سفر کیا۔ بغداد کے وزیر نظام الملک نے جب آپ کی علمی قدر ومنزلت کے متعلق سنا تو اس نے آپ کو اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی اور مختلف علماء ومشائخ کے ساتھ بحث ومناظرہ کے فن میں آپ سے بہت متاثر ہوا اور آپ کو "مدرسہ نظامیہ" میں بطور مدرس اور شیخ مقرر کر دیا۔[۶]

علماء ومحدثین کے نزدیک امام غزالی کا مقام ومرتبہ

امام غزالی وہ نابغہ روزگار شخصیت ہیں جنہوں نے حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، تصوف، فلسفہ، علم الکلام اور دیگر علوم وفنون میں سیر حاصل کتب لکھیں اور ہر موضوع کو ثابت کرنے کے لیے مناظرے کئے اور کامیابی حاصل کی۔ آپ کے علمی تبحر، ذہانت، ثقاہت اور فی البدیع کلام کرنے کے متعلق آپ کے ہم عصر بھی قائل تھے۔

---

(۱)ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن، (۱۹۹۵ء)، تاریخ مدینہ دمشق، دار الفکر، بیروت۔ ج ۵۵، ص ۲۰۰.

(۲)ابو محمد عبد اللہ بن أسعد، (۱۹۷۰ء)، مرآة الجنان وعبرة اليقظان، مؤسسہ العلمی للمطبوعات، حیدر آباد، دکن۔ ج۳، ص۱۷۷-۱۷۹

(۳)ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان، (۱۴۱۳ھ)، سیر أعلام النبلاء، مؤسسہ الرسالہ، بیروت۔ ج۱۹، ص۳۳۵، طبقات الشافعیہ الکبری، ۶/۱۹۳

(۴)صالح احمد شامی، (۱۴۲۳ھ)، الامام الغزالی، دار القلم، دمشق۔ ص۲۰

(۵)ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج۵۵، ص۲۰۰، طبقات الشافعیہ الکبری، ۴/۸۸.

(۶)ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج۵۵، ص۲۰۰، ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ج ۱۹، ص۳۲۷

امام غزالی کے شیخ امام الحرمین کہتے ہیں کہ:

"غزالی وہ علم کا سمندر ہے جو اپنے اندر کئی علوم وفنون میں وسعت رکھتا ہے"(۱)

امام ذہبی امام غزالی کی علمی منزلت کے متعلق کہتے ہیں کہ:

" علم کے سمندر، حجۃ الاسلام، زمانے کے عجائب میں سے ایک عجوبہ امام ابو حامد غزالی ہیں جو کہ کثیر التصانیف اور اعلی درجے کے ذکی وفطین شخصیت کے مالک تھے"(۲)

علامہ ابن کثیر امام غزالی کی علمی قدر و منزلت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"آپ کو مختلف علوم وفنون میں یدِ طولی حاصل تھا۔ آپ کی مختلف علوم وفنون پر کئی تصنیفات ہیں۔ آپ علیہ الرحمہ جہاں کے ذکی ترین لوگوں میں سے ایک تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے عنفوانِ شباب میں ہی بہت دقیق مسائل پر گفتگو کی"(۳)

امام عبد الغافر فارسی امام غزالی کے معاصر امام غزالی کی علمی ثقاہت کے متعلق کہتے ہیں کہ:

"امام غزالی حجۃ الاسلام والمسلمین اور ائمہ دین کے امام ہیں۔ میری آنکھوں نے ان جیسا زبان و بیان میں مہارتِ تامہ رکھنے والا، ذکی اور ثقہ شخص کبھی نہیں دیکھا۔"(۴)

علامہ طرطوشی محمد بن الولید امام غزالی کے متعلق کہتے ہیں کہ:

"امام غزالی میں عقل، فہم و فراست اور تمام اَقسام کے علوم و فنون اُن کی شخصیت میں عمر بھر مجتمع رہے۔ آپ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے"(۵)

---

(۱) سبکی، تاج الدین بن علی بن عبد الکافی، (۱۴۱۳ھ)، طبقات الشافعیہ الکبری، دار النشر للطباعۃ والتوزیع، بیروت۔ ج ۶، ص۱۹۶

(۲) ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ج ۱۹، ص۳۲۲-۳۲۳

(۳) ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، (دون السنہ)، البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف، بیروت۔ ج ۱۲، ص۱۷۳

(۴) ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق، ج ۵۵، ص۲۰۰

(۵) ذہبی، تاریخ الاسلام، ج ۳۵، ص۱۲۲

امام غزالی کے نزدیک تزکیہ نفس کی اہمیت وافادیت

امام غزالی علیہ الرحمہ کے نزدیک دل کو اعمالِ خسیسہ سے پاک صاف کرنے اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا نام تزکیہ نفس ہے۔ کیونکہ پاک وصاف دل اللہ کی بارگاہ میں مقبول ومنظور ہوگا، اور تزکیہ نفس کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان اللہ کی بارگاہ کے قریب ہوجائے گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''کہ جب تک تزکیہ نفس کی کٹھن منزلیں طے نہ ہوجائیں، اخلاق وسیرت میں خوشگوار تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے فرمایاہے: ﴿قد أفلح من زكاها﴾ کہ ضرور فلاح پاگیاوہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک و صاف کرلیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ ''قد أفلح من تعلم كيفية تزكيتها'' کہ ضرور فلاح پاگیاوہ شخص جس نے تزکیہ نفس کی کیفیت سیکھی''۔(۱)

امام غزالی تزکیہ نفس کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''كما أن الثوب الوسخ لا يقبله الملك لأن يكون لباسه فالقلب المظلم لا يقبله الله تعالى لأن يكون في جواره وكما أن استعمال الثوب فى الأعمال الخسيسة يوسخ الثوب وغسله بالصابون والماء الحار ينظفه لا محالة فاستعمال القلب في الشهوات يوسخ القلب وغسله بماء الدموع وحرقة الندم ينظفه ويطهره ويزكيه وكل قلب زكى طاهر فهو مقبول كما أن كل ثوب نظيف فهو مقبول فإنما عليك التزكية والتطهير''(۲)

''جس طرح کوئی بادشاہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی پرانا اور میلا کچیلا کپڑا اس کا لباس بنے، ایسے ہی تاریک دل کو اللہ تعالی قبول نہیں کرتا کہ اس کی رحمت کی سائے تلے ہو۔ اعمال خسیسہ جس طرح کپڑوں کو میلا اور کچیلا کر دیتے ہیں، پھر ان کو صاف کرنے کے لیے گرم پانی اور صابن کے ساتھ دھویا جاتاہے اسی طرح مختلف نفسانی خواہشات دل کو میلا کچیلا کر دیتی ہیں، تو انسانی نفس اور دل کی طہارت وپاکیزگی کے لیے ندامت کے آنسو بہانا شرط ہے تاکہ دل صاف اور پاک ہوجائے۔ پاک وصاف دل اللہ تعالی کی بارگاہ میں مقبول ہوتا ہے جیسا کہ صاف ستھرا کپڑا (بادشاہ) کے ہاں مقبول ہوتاہے۔ پس اگر دل کو پاک صاف کرنا ہے تو تزکیہ نفس تیرے اوپر لازم ہے۔''

---

(۱) إحياء علوم الدين ، ج۳، ص۳۸۸

(۲) إحياء علوم الدين، ج۴، ص۱۳

ائمہ لغویین کے نزدیک ''تزکیہ'' کی دو اَقسام ہیں:

۱۔ **فعلیہ:** جو پسندیدہ اور تعریف کیا گیا ہو۔یعنی عملی طور پر بھی انسان کا تزکیہ ٔنفس کرنا۔

۲۔ **قولیہ:** انسان اپنے فعل کے ساتھ ساتھ اپنے قول میں بھی تزکیہ نفس پیدا کرے اور کسی کے بارے میں کوئی بری گفتگو یا دیگر فواحش کا ارتکاب نہ کرے۔(۱)

تزکیہ نفس کا فائدہ:

''قال أبو بكر بن العربي أحد أئمة المالكية في كتابه قانون التأويل ذهبت الصوفية إلى أنه إذا حصل للإنسان طهارة النفس وتزكية القلب وقطع العلائق وحسم مواد أسباب الدنيا من الجاه والمال والخلطة بالجنس والإقبال على الله تعالى بالكلية علما دائما وعملا مستمرا كشفت له القلوب ورأى الملائكة وسمع كلامهم وأطلع على أرواح الأنبياء والملائكة وسماع كلامهم ممكن للمؤمن كرامة وللكافر عقوبة''(۲)

''ابو بکر بن عربی کہتے ہیں کہ:جب انسان کو نفس کی پاکیزگی اور تزکیہ قلب کا حصول ہو جاتا ہے تو وہ دنیاوی تعلقات اور مال و جاہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور کلی طور پر اللہ تعالی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے تیار رہتا ہے۔ پھر اس پر دلوں کے اَسرار کھول دیے جاتے ہیں اور وہ ملائکہ کو دیکھتا ہے اور اُن کی آواز کو سنتا ہے اور اَنبیاء کی اَرواح اور ملائکہ سے ملاقات کرتا ہے اور اُن کی آواز کو سنتا ہے۔''

امام غزالی کی تزکیہ نفس کے موضوع پر تصانیف کے اَسباب:

امام غزالی تزکیہ نفس اور دل کی پاکیزگی کے حوالے سے بطور ماہر تصور کیے جاتے ہیں آپ نے اپنی کتاب ''اِحیاء علوم الدین'' میں اِس موضوع کے متعلق لکھنے کے اَسباب بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

''میں نے اپنے اندر اَمراض قلب کی شکایت کی اور میں نے اس کے اَطباء کا جب فقدان پایا تو میں نے نفس اور قلب کے تزکیہ کے لیے خود محنت کی اور اس کا حل تلاش کیا''۔(۳)

---

(۱) زبیدی، محمد مرتضی الحسینی، (دون السنہ)، تارج العروس، دار الھدایہ، (بدون المکان والتاریخ)۔ج ۱، ص۹۱

(۲) آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید، (دون السنہ)،روح المعانی،دار اِحیاء التراث العربی، بیروت۔ج ۲۲، ص۴۰

(۳)غزالی، احیاء علوم الدین، ج ۱، ص۲، ج۳، ص۶۳

امام غزالی کے اَفکار کی روشنی میں تزکیہ نفس کا حکم:

امام غزالی نے جہاں پر دیگر علوم پر سیر حاصل بحث کی ہے وہیں پر آپ نے تزکیہ نفس اور طہارتِ قلب کے متعلق شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ تزکیہ نفس کے متعلق ضروری علم حاصل کرے اور اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ تزکیہ نفس اور امراض قلب سے چھٹکارا کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے(۱)۔

اس کے بعد آپ کہتے ہیں کہ: قلب کے ساتھ ملحقہ مذموم ترین امراض میں سے، تکبر، خود پسندی اور اس طرح کے دیگر مہلکات ہیں جن کا ازالہ کرنا انسان پر فرضِ عین ہے، اور ان کا ازالہ اسی صورت میں ممکن ہے جب تک ان کی معرفت، اَسباب، علامات اور ان کے علاج کے متعلق علم حاصل نہ کیا جائے۔ سو جو شخص شر کو نہیں جانتا وہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ ان امراض کے اَسباب کو جانے بغیر ان کا علاج ممکن نہیں۔(۲)۔

امام غزالی کے نزدیک راہِ تصوف تزکیہ نفس کے لیے لازمی ہے:

حضرت امام غزالی اپنی کتاب ''المنقذ من الضلال'' کے اندر فرماتے ہیں کہ اپنے تزکیہ نفس اور قلب کی اصلاح کی خاطر میں نے علماء فقہاء، فلاسفہ اور ائمہ متکلمین کے ہر طبقے سے پوچھا مگر کسی نے میرے دل کے مرض کی دوا نہ بتائی بالآخر مجھے تزکیہ نفس اور دل کے مرض کا علاج صرف صوفیاء کے پاس ملا۔ وہ طرق الصوفیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ثم إنی لما فرغت من هذه العلوم أقبلت بهمتي على طريق الصوفية، وعلمت أن طريقتهم إنا تتم بعلم وعمل، وكان حاصل علومهم قطع عقبات النفس، والتنزه عن أخلاقه المذمومة وصفاته الخبيثة، حتى يتوصل بها إلى تخلية القلب عن غير الله تعالٰى وتحليته بذكر الله. وكان العلم أيسر على من العمل، فابتدأت بتحصيل علمهم من مطالعة كتبهم مثل: قوت القلوب لأبى طالب المكى رحمه الله، وكتب الحارث المحاسبى، والمتفرقات المأثورة عن الجنيد والشبلى وأبى يزيد البسطامى قدس الله أرواحهم، وغيرهم من المشايخ، حتى اطلعت على مقاصدهم العلمية، وحصلت ما يمكن أن يحصل من طريقهم بالتعلم والسماع. فظهر لي أن أخص خواصهم، ما لا يمكن الوصول إليه بالتعلم بل بالذوق والحال وتبدل الصفات،

(۱)غزالی، إحیاء علوم الدین،ج ۱، ص۱۵

(۲)نفس المصدر

فعلمت يقينًا أنهم أرباب الأحوال، لا أصحاب الأقوال. وأن ما يمكن تحصيله بطريق العلم فقد حصلته، ولم يبق إلا ما لا سبيل إليه بالسماع والتعلم، بل بالذوق والسلوك''(۱)

''جب میں ان علوم (متداولہ) کے حصول سے فارغ ہوا تو میں نے طریقِ صوفیہ کا رخ کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ ان کا طریقہ علم و عمل سے مکمل ہوتا ہے اور ان کے علوم کا حاصل نفس کی گھاٹیوں سے جدا ہونا اور اس کے مذموم اخلاق اور بری صفات سے کنارا کش ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ذریعے دل غیر اللہ سے خالی ہو کر اللہ کے ذکر سے معمور ہو جاتا ہے۔ میرے لیے عمل سے زیادہ علم آسان تھا پس میں نے ان کی کتب سے مطالعہ کے ذریعے حصول علم کا آغاز کیا۔ جیسے ابو طالب مکیؒ کی قوت القلوب، حارث المحاسبی کی کتب، جنید، شبلی، ابو یزید بسطامی اور دیگر مشائخ سے منقول متفرق کتب کا مطالعہ کیا، حتی کہ میں ان کے مقاصد علمیہ کی حقیقت پر مطلع ہو گیا۔ پھر میں نے ممکنہ حد تک طریق تعلم و سماع کے ذریعے بھی علم حاصل کیا۔ اس سے میرے اوپر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ان میں سے جو اخص الخواص چیزیں ہیں انہیں تعلم کے ذریعے حاصل کرنا ممکن نہیں بلکہ انہیں صوفیانہ ذوق، حال اور تبدل صفات کے ذریعے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ صوفیاء اصحاب احوال ہوتے ہیں نہ کہ اصحاب اقوال۔ میں نے ان (اسرار) تک رسائی حاصل کی جن تک طریق علم کے ذریعے پہنچنا ممکن نہ تھا۔ ایسا کچھ نہ رہا کہ جس تک سماع و تعلم بلکہ ذوق اور سلوک کے ذریعے رسائی ناممکن ہو''۔

دل کے مرض میں مبتلا لوگوں کی دوا صرف صوفیاء کے در پر ملتی ہے۔ خواہ کوئی رفع یدین کرنے والا ہو یا آمین بالجہر کہنے والا، صوفی کو اس سے کوئی غرض نہیں یہ تو فقہاء کا معاملہ ہے، جس مذہب کی چاہے تقلید کرو ان کے پاس تو دل کی اصلاح کے لئے آؤ، شفا پاؤ گے۔ یہ صرف ائمہ مذہب و فقہاء کا مسئلہ ہے کہ جس کی تقلید کرو وہیں چلو، صوفیاء ظاہر کو نہیں باطن کو دیکھتے ہیں۔ نفس، قلب بگڑ جائے یا روح کا تعلق اگر ملاء اعلیٰ سے کٹ جائے تو اس کا تعلق اپنے وطن سے جوڑنے کے لئے صوفیاء کے در پر جاؤ۔ منکرینِ تصوف بھلا شیخ عبد القادر جیلانی، داتا گنج بخش علی ہجویری، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ بہاؤ الدین نقشبند، بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت مجدد الف ثانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمھم اللہ اور ان جیسے دیگر اولیاء و صوفیاء کی روحانی عظمتوں کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ دل کو سنوارنے کے لئے اہل حال یعنی صوفیاء کے دامن سے وابستہ ہونا ضروری ہے۔

(۱)غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، (دون السنہ)، المنقذ من الضلال، دار الکتب الحدیثہ، مصر۔ ص ۱۷٦

تزکیہ نفس کے مدارج

امام غزالی جہاں علم الکلام، تفسیر، حدیث اور فلسفہ کے امام مانے جاتے ہیں وہیں پر آپ صوفیاء کے قدوۃ اور امام سمجھے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہم امام غزالی کے تزکیہ نفس سے متعلق بیان کردہ مختلف مدارج کا ذکر کریں گے۔

(۱) گناہ چھوڑے بغیر تزکیہ نفس ممکن نہیں:

گناہوں سے بچنے کا حکم اللہ تعالی نے کلامِ پاک میں دیا: ﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ﴾[۱] "اور چھوڑ دو کھلا گناہ اور چھپا ہوا گناہ۔" گناہ اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنے اور نبی ﷺ کی مبارک سنتوں سے روگردانی کرنے کو کہتے ہیں۔ گناہ میں انسان کے لیے دنیوی نقصانات بھی اور اخروی نقصانات بھی ہیں۔

امام غزالی کہتے ہیں: عالم وہ شخص ہوتا ہے جس پر گناہوں کے نقصانات اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ گویا وہ شخص گناہوں کے نقصانات سے جتنا زیادہ واقف کار ہو گا[۲]۔ وہ اتنا ہی بڑا عالم ہو گا۔ یہ بات بہت کام کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کے نقصانات سے واقف ہو تو اس سے بچتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے۔

(۲) تزکیۂ نفس کے لیے علم کی ناگزیریت:

علم صرف یہی نہیں کہ یہ ہمارے نفس کے ہر پہلو کے حوالے سے بحث کرتا ہے بلکہ ان کی خرابیوں کو دور کر کے ان کی جگہ پر جو کچھ صحیح ہے اس کو پیش کرتا ہے، اور اسکا اصلی کام اس بحث و تمحیص اور اس تعلیم و تلقین سے آگے ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ہمارے نفس کی ہر پہلو سے ایسی تربیت بھی کرتا ہے جس سے ہمارا نفس "نفس مطمئنہ" بن جائے۔ امام غزالی کے نزدیک علم طریقت دو اقسام پر منقسم ہے: (۱) علم مکاشفہ (۲) علم معاملہ۔ پہلی قسم باطنی علم ہے اور یہ تمام علوم کی غرض و غایت ہے۔ بعض عارفین و صوفیاء کے نزدیک جس کے پاس یہ علم نہیں ہوتا، اُس کا برے خاتمہ سے مجھے خوف آتا ہے۔[۳]

جب تک انسان حیاتِ باطنیہ یعنی تزکیہ نفس سے مشرف نہیں ہوتا، اس وقت تک توحید کی حلاوت کو نہیں پا سکتا حقیقی ایمان سے مسلمان تب ہی لطب اندوز ہو گا جب وہ باطنی حقائق و معارف، مشاہدات احوال سے واقفیت حاصل کر

---

(۱) الأنعام، ۶/ ۱۲۰

(۲) غزالی، اِحیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۱۲۵

(۳) غزالی، احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۱۹

لے گا۔ تصوف و روحانیت احسان کے سلوک سے گزر کر ہی نفس مطمئنہ بنتا ہے اور بندہ مؤمن کا دل غیر اللہ سے خالی ہو جاتا ہے۔

تزکیہ صرف اتنا ہی نہیں چاہتا ہے کہ ہمیں خدا اور اس کی شریعت کا کچھ علم حاصل ہو جائے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر یہ بھی چاہتا ہے کہ ہمیں خدا اور اس کی صفات کی سچی اور پکی معرفت حاصل ہو جائے۔ تزکیہ صرف یہی پیشِ نظر نہیں رکھتا ہے کہ ہماری عادتیں کسی حد تک سنور جائیں بلکہ تزکیہ یہ چاہتا ہے کہ ہم تمام مکارم اخلاق کے پیکر مجسم بن جائیں۔

(۳) اعمالِ قلب کا تزکیہ نفس میں کردار:

امام غزالی علیہ الرحمہ نے خلوت نشینی میں تقریباً دس سال گزارے اور معرفتِ قلب کے حصول کے لیے مختلف اماکن و بلدان کا سفر کیا۔ آخر کار آپ پر یہ بات منکشف ہوگئی کہ انسان کے لیے ایک بدن ہوتا ہے اور ایک دل ہوتا ہے۔ دل کی حقیقت روح ہے جو گوشت اور خون سے پاک و صاف ہوتی ہے جو اللہ کی معرفت کا مقام ہے۔ روح انسانوں کے علاوہ جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اوصاف قلب اور تزکیہ نفس کے متعلق امام غزالی فرماتے ہیں:

''إن البدن له صحة بها سعادته ومرض فيه هلاكه، وأن القلب كذلك له صحة وسلامة، ولا ينجو ''إلا من أتى الله بقلب سليم'' وله مرض فيه هلاكه الأبدي الأخروي، كما قال تعالى: ''في قلوبهم مرضٌ'' وأن الجهل بالله سم مهلك، وأن معصية الله بمتابعة الهوى، داؤه الممرض، وأن معرفة الله تعالى ترياقه المحيي، وطاعته بمخالفة الهوى دواؤه الشافي''(۱)

"جب بدن میں صحت ہو تو اُسکی سعادت مندی ہے، جب بدن میں مرض ہو تو اُس کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح انسانی دل بھی صحت و سلامتی چاہتا ہے۔ بیماری سے انسانی دل کو تب نجات ہو گی جب انسان " اللہ تعالی کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ آئے گا" دل میں امراض بھی ہیں جو اس کی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اُن کے دلوں میں مرض ہے۔ اور اللہ تعالی کی معرفت سے جہالت انسان کو ہلاک کرنے والا زہر ہے اور اللہ تعالی کی نافرمانی خواہشات کی پیروی کرنے میں ہے اور یہ ایسی بیماری ہے جو انسان کو مریض بنادیتی ہے۔ اللہ کی معرفت زندہ دل کے لیے تریاق کا اثر رکھتی ہے اور اللہ تعالی کی اطاعت و بندگی خواہشات کو ترک کرنے میں ہے اور یہ ایسی دوا ہے جو انسان کو شفا دیتی ہے"۔

(۱) غزالی، المنقذ من الضلال، ص ۱۸۸

(۴) گناہ پر ندامت تزکیہ نفس ہے:

امام غزالی احیاء علوم الدین میں توبہ کے باب میں لکھتے ہیں کہ:

"گناہ کے خیال پر رونا دھونا تائید کے حق میں کمال ہے کیونکہ اگر اسے بھلا دیا جائے تو دل گرفتگی، گناہ کی کڑواہٹ، غم و حزن زائل ہو جائے گا۔ یہ بات بندے کے لئے نقصان دہ ہے تاہم اس کے برعکس اگر گناہ کو یاد کرتے ہوئے نفس کی خواہش کا شکار ہو کر دل میں اس کے لئے ہلکی سی لذت بھی محسوس کی تو اس سے تائب کی توبہ بے ثمر ہو جائے گی۔"(۱)

(۵) خود پسندی کا قلع قمع کرنا تزکیہ نفس ہے:

امام غزالی علیہ الرحمہ سے فرمایا: کہ خود پسندی جیسی بیماری کا سبب محض جہالت ہے۔(۲) عجب یعنی خود پسند اخلاق ذمیمہ میں سے ہے۔ اس کا جنم انسانی دل میں ہوتا ہے اور شیطان اسے پیدا کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔ اس لیے اہل تصوف کے لیے اپنے دل کو عجب سے پاکیزہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ عجب میں چونکہ اظہار اور غرور کا مادہ شامل ہوتا ہے جو حصول معرفت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اس کے علاوہ نیک اعمال میں اللہ تعالی کی عطا کردہ توفیق اور تائید ختم ہو جاتی ہے۔ پس جونہی انسان سے توفیق الہی اور تائید خداوندی کا ہاتھ اٹھتا ہے تو وہ بربادی میں مبتلا ہونا شروع ہو جاتا ہے جو آخر کار انسان کے ذلیل وخوار انجام کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

امام غزالی نے امام شافعی علیہ الرحمہ کا عجب کے قول نقل کرتے ہوئے بیان کیا:

"إذا أنت خفت على عملك العجب فانظر رضا من تطلب وفي أي ثواب ترغب ومن أي عقاب ترهب وأي عافية تشكر وأي بلاء تذكر فإنك إذا تفكرت في واحد من هذه الخصال صغر في عينك عملك فانظر كيف ذكر حقيقة الرياء وعلاج العجب وهما من كبار آفات القلب وقال الشافعي رضي الله عنه من لم يصن نفسه لم ينفعه علمه"(۳)

---

(۱)غزالی، احیاء علوم الدین، ج ۴، ص ۴۲

(۲)غزالی، إحیاء علوم الدین، ج۱، ص۳۹

(۳)غزالی، إحیاء علوم الدین، ج۱، ص۲۶

''کہ جب تو اپنے عمل کی خود پسندی پر خوف کرے، پس تو رضامندی کو دیکھ جو طلب کرتا ہے، اور کونسا لباس ہے جو تو پسند کرتا ہے اور کونسی سزا ہے جس سے تیرا نفس ڈرتا ہے، اور کونسی عافیت ہے جس سے تو شکر کرتا ہے اور کونسی بلاء ہے جس کو تو یاد کرتا ہے۔ پس جب تو ان خصلتوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی سوچے گا تو یہ تیری آنکھ میں حقیر نظر آئیں گی۔ پس تو ریاء کی حقیقت کو بھی جان لے اور خود پسندی کا علاج بھی کر، کیونکہ یہ دونوں چیزیں دل کے لیے بہت بڑی آفات ہیں۔ پھر امام شافعی فرماتے ہیں: جو شخص اپنے نفس کو نہ بچا پائے، تو اس کو اس کے علم نے نفع نہ دیا۔''

(٦) توکل علی اللہ اور تزکیہ نفس

حقیقت یہی ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی بھروسہ کے قابل نہیں۔ یہ ناپائیدار اور ناقابل اعتبار چیزیں ہیں۔ بھروسہ کے قابل صرف اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان! آ اور مجھ پر بھروسہ کر۔ جو مجھ پر بھروسہ کرتا ہے میں اس کے لئے کافی ہوتا ہوں۔(١)

(٧) قلبی شہوات سے اِجتناب:

انسان کسی برے کام سے توبہ تو کرلیتا ہے لیکن کبھی بشری تقاضے کے باعث اس سابقہ گناہ کی لذت کو اپنے دل میں محسوس کرتا ہے جو ترکِ توبہ کی راہ دکھلانے کے مترادف ہے۔ حضرت عمر فاروق ؓ قلبی شہوات پر نظر رکھنے اور اپنے نفسوں کا محاسبہ کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا، وَتَزَيَّنُوْا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ، وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيَامة عَلى مَنْ حَاسَبَ نَفْسه، فِي الدُّنْيَا''(٢)

''اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور بڑی پیشی کے لئے تیار ہو جاؤ قیامت کے دن اس آدمی کا حساب آسان ہو گا جس نے دنیا میں ہی اپنا حساب کر لیا۔''

صاحبِ قُوت القلوب حضرت ابو طالب مکی نے توبہ کے باب میں سچی علاماتِ توبہ کے ذیل میں اسرائیلی روایات کے حوالے سے ایک حکایت بیان کی کہ ایک نبی ؑ نے ایک شخص کی توبہ قبول کرنے کے لئے اللہ تبارک و

---

(١)غزالی، مجموعہ رسائل، ایہا الولد، ص٢٦١-٢٦٢

(٢)ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)، السنن، دار اِحیاء التراث العربی، بیروت۔ ج٤، ص٦٣٨، رقم:٢٤٥٩

تعالیٰ کے حضور درخواست کی جس نے ساٹھ سال عبادت و ریاضت میں خوب محنت کی لیکن توبہ کی قبولیت کا کوئی نشان نہ دیکھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَوْ شَفَعَ فِيه أهلُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ مَا قَبِلْتُ تَوْبَته، وَحَلَاوة ذٰلِکَ الذَّنْبِ الَّذِيْ تَابَ مِنه فِيْ قَلْبه''(۱)

''مجھے میرے عزت و جلال کی قسم! اگر تمام آسمانوں اور زمین والے بھی اس کی سفارش کریں تو بھی میں اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا جبکہ اس گناہ کی شیرینی (لذت) اس کے دل میں ابھی تک ہے جس سے اس نے توبہ کی۔''

اس بات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حقیقی توبہ اس چیز کی متقاضی ہے کہ انسان کبھی بھی قلبی شہوات سے بے خبر نہ ہو کیونکہ گناہ کی یاد لذت بن کر اسے دوبارہ گناہ کی طرف آمادہ کرتی ہے۔ تائب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس گناہ سے شدید نفرت کرے تاکہ اس کی یاد دل میں جگہ نہ پاسکے اور جب کبھی نفس و شیطان اسے گناہ کی یاد دلائیں تو رب العزت کے حضور صمیمِ قلب سے استقامت کی دعا کرتے ہوئے اسے فوراً اپنے دل سے نکال دے۔

(۸) تزکیۂ نفس اور اِخلاص:

اخلاص کا مادہ خَلَصَ، یَخْلُصُ سے ہے جس کا مفہوم کسی چیز کو صاف، شفاف، اور ملاوٹ سے پاک رکھنا، خالص کر لینا اور منتخب کر لینا۔ دین میں مخلص وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کے لئے مخصوص فرمالیتا ہے۔ اطاعت میں اخلاص یہ ہے کہ ریا کو ترک کر دیا جائے۔ دین میں اللہ تعالیٰ کے لئے کھرا اور خالص ہو جانا "اخلاص" کہلاتا ہے۔(۲)

اپنے دل کو ہر قسم کی نفسانی، ظاہری و باطنی خواہشات سے پاک کرنا اخلاص ہے زندگی میں جو بھی عمل کرے اس کا دل اس بات پر مطمئن ہو کہ میں یہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کر رہا ہوں دوسرے لفظوں میں اپنی بندگی کو دنیا کے مفاد حتیٰ کہ اپنے ہر عمل اور عبادت اور اپنی زندگی کی ساری جہتوں کو ہر طرف سے ہٹا کر صرف اللہ کی رضا میں گم کر دینا اخلاص کہلاتا ہے۔ اخلاص کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بغیر نیت محض ریاکاری ہے۔

امام راغب اصفہانی اخلاص کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''الإخلاص التبري عن کل ما دون الله تعالی''(۳)

---

(۱) غزالی، إحیاء علوم الدین، ج۴، ص ۳۴

(۲) ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور، (دون السنہ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت. ج ۷، ص۲۶

(۳) راغب اصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، (دون السنہ)، المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفہ، بیروت۔ ص ۱۵۵

"ہر ماسوا اللہ سے دل کو پاک کر لینا اخلاص ہے۔"

اخلاص لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کا نام ہے اور صدق یہ ہے کہ تو اس بات سے پاک رہے کہ تمہارا نفس تمہارے اعمال کو دیکھنے پائے لہٰذا جو مخلص ہو گا اس کے کسی فعل میں ریا کا دخل نہیں ہو گا اور جو صادق ہو گا اس میں غرور نہ پایا جائے گا۔

لہٰذا اخلاص سے مراد ہے اپنی زندگی اور بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر دینا ہے زندگی اور بندگی میں مقصود فقط اللہ کی ذات ہو جائے جینا مرنا فقط اسی کے لیے ہو جائے جیسا کہ خود رب کائنات نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا کہ میرے بندوں کو بتادو کہ اخلاص یہ ہے کہ

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(۱)

"بے شک میری نماز اور میرا حج اور میری قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔"

گویا زندگی میں اور کوئی مقصود و مطلوب نہ ہو بلکہ زندگی اور بندگی کو من کل الوجوہ ہر اعتبار سے فقط اللہ کیلئے خالص کر لینا اخلاص کہلاتا ہے۔

(۹) اخلاص کی حقیقت اور تزکیہ نفس:

ہر وہ چیز جو ملاوٹ سے بالکل پاک صاف ہو اسے خالص کہتے ہیں اور اخلاص اس عمل کو کہتے ہیں جو اس چیز میں صفائی کا موجب بنتا ہے۔ اخلاص کا اطلاق عرف عام میں ہر اس عمل پر ہوتا ہے جس کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا ہو، اس میں کوئی دوسری آمیزش مثلاً ریاء کاری، دنیوی نفسانی خواہش وغیرہ شامل نہ ہو۔

اخلاص یہ ہے کہ وہ خالص عمل محض قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے انجام دیا جائے اس میں کسی قسم کی نفسانی خواہش نہ ہو ایسا عمل صرف اسی شخص سے متصور ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتا ہو اور آخرت کی فکر میں اس قدر ڈوبا ہوا ہو کہ اس کے دل میں محبت دنیا کیلئے کوئی جگہ نہ رہے حتیٰ کہ اسے کھانے پینے سے بھی رغبت نہ ہو۔

اخلاص کے متعلق امام غزالی کہتے ہیں کہ:

"شیطان کے جملہ حملوں میں سب سے خطرناک حملہ یہ ہے کہ انسان کو اخلاص سے محروم کر دے، اس کے نتیجے میں اس کی تمام عبادات جو دینی اور دنیوی امور کو محیط ہوں بے ثمر کر رہ جاتی ہیں۔ عرفا کے نزدیک اخلاص سے ہی

---

(۱)سورہ الانعام، ۶/ ۱۶۲

ہر کام کی بنیاد نفس کی کسی نہ کسی خواہش کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے جو ان کے نزدیک شرک سے عبارت ہے۔ یہ امر یاد رہنا چاہیے کہ نفس کو ہر وہ عمل گراں گزرتا ہے جس کا محرک اخلاص ہوتا ہے کیونکہ اس میں نفس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ انسان کے کسی کام میں بھی ذاتی غرض اور طمع کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ ان کے ہوتے ہوئے اخلاص کا حصول ایک امر محال ہے۔ اِخلاص پانے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان نفس کی مخالفت کرے، دنیاوی خواہشات سے قطع تعلق کر لے اور آخرت کی تیاری کے لیے گوشہ نشین ہو جائے جب یہ چیزیں اس کے دل پر غلبہ پالیں گے تو اخلاص آسان ہو جائے گا۔"(۱)

(۱۰) مادیت پرستی سے چھٹکارا تزکیہ نفس کے بغیر ممکن نہیں:

مادیت پرستی میں انسان کی روح آلودہ ہو جاتی ہے، عالم روحانیت کی طرف پرواز کرنے کی بجائے انسان ناپاکی کی راہوں پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ شیطان دنیا اُس کے سامنے مزین کرتا جاتا ہے اور انسان خواہشات نفس اور شیطان کی پیروی میں اپنے رب کو بھولتا چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''هذه الخبائث التي هي الحجاب عن الله سبحانه وتعالى وعن معرفة صفاته وأفعاله''(۲)

"اندرونی ناپاکی کی وجہ سے اللہ تعالی کی ذات اور اُس کی معرف، صفات و افعال کے آگے انسان کے لیے پردے حائل ہو جاتےے ہیں (جس کی وجہ سے وہ اللہ کی پہچان نہیں کرپاتا)۔"

یہی وجہ ہے کہ انسان کو ظاہری پاکیزگی و نظافت کے ساتھ ساتھ باطنی پاکیزگی و نظافت پر بھی غور و تدبر کرنا چاہیے۔ روحانیت میں انسان نفس امارہ کی پیدا کردہ رکاوٹ اور مشکلات کو دور کرتا ہے، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ذریعے اعمال کو نور کے ساتھ منور کرتا ہے تاکہ وہ بارگاہِ الہی میں شرف قبولیت کے لائق ہو جائے۔

خلاصۂ بحث

(۱)۔ اسلام جہاں پر زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے وہیں پر تزکیہ نفس اور تصفیۂ کے متعلق رہنمائی فراہم کرتا ہے تاکہ بندہ صحیح معنوں میں جسمانی پاکیزگی کے ساتھ روحانی پاکیزگی بھی حاصل کرلے۔

(۲) تزکیہ نفس کے ذریعے انسان کے اعمال اللہ تعالی کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پاتے ہیں۔

---

(۱) غزالی، احیاء العلوم، ج۴، ص۳۸۰

(۲) غزالی، احیاء علوم الدین، ج۱، ص۲۰

(۳)امام غزالی نے اپنی کتب میں تزکیہ نفس اور طہارتِ قلب کے مختلف مراح و مدارج بیان کئے ہیں جن کو اختیار کرنے سے انسان صحیح معنوں میں اَخلاقی اور فکری زندگی گزار سکتا ہے۔

(۴)امام غزالی نے اپنے صوفیانہ منہج کے ساتھ اُن امراض کا ذکر کیا ہے جو انسان کی روحانی ترقی میں آر بنتے ہیں۔

(۵)امام غزالی کے نزدیک نفسِ انسانی کے تزکیہ اور تصفیہ قلب کے لیے صوفیانہ منہج عملی حیثیت رکھتا ہے جس کے ساتھ انسان اخلاقِ ذمیمہ سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

۱. القرآن الکریم

۲. آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین السید، (دون السنہ)،روح المعانی،دار اِحیاء التراث العربی، بیروت

۳. ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، (دون السنۃ)،السنن، دار اِحیاء التراث العربی، بیروت

۴. جمال الدین علي بن یوسف، (۱۹۸۲ء)، إنباہ الرواۃ علی أنباہ النحاۃ، الناشر: دار الفکر العربي، القاھرہ، ومؤسسہ الکتب الثقافیہ، بیروت

۵. ذہبی، محمد بن احمد بن عثمان،(۱۴۱۳ھ)،سیر أعلام النبلاء، مؤسسہ الرسالہ،بیروت

۶. راغب اصفہانی،ابو القاسم الحسین بن محمد، (دون السنہ)، المفردات فی غریب القرآن، دار المعرفہ، بیروت

۷. زبیدی، محمد مرتضی الحسینی، (دون السنہ)، تارج العروس،دار الھدایہ، (بدون المکان والتاریخ)

۸. سبکی، تاج الدین بن علی بن عبد الکافی، (۱۴۱۳ھ)،طبقات الشافعیہ الکبری،دار النشر للطباعۃ والتوزیع،بیروت

۹. صالح احمد شامی، (۱۴۲۳ھ)، الامام الغزالی، دار القلم، دمشق

۱۰. ابو محمد عبد اللہ بن أسعد، (۱۹۷۰ء)،مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان، مؤسسہ العلمی للمطبوعات، حیدر آباد، دکن

۱۱. ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن الحسن،(۱۹۹۵ء)، تاریخ مدینہ دمشق،دار الفکر،بیروت۔

۱۲. غزالی، أبو حامد محمد بن محمد الغزالی، (دون السنۃ)،إحیاءعلوم الدین، دار المعرفہ، بیروت، لبنان

۱۳. غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، (دون السنہ)، المنقذ من الضلال، دار الکتب الحدیثہ، مصر

۱۴. ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر،(دون السنہ)،البدایہ والنہایہ، مکتبۃ المعارف،بیروت

۱۵. ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور، (دون السنہ)، لسان العرب،دار صادر، بیروت

نظرية الإباحة الأصلية بين الرفض والقبول

☆الدکتور محمد نواز (الحسنی)

☆☆الدکتور ممتاز أحمد السدیدی

ABSTRACT

It is article related to very famous principle: All things in their origin are permissible. When almighty Allah revealed the rules on last his prophet ﷺ and declared all those things which are made prohibited are harmful for mankind or their harm is pre-domainant on their benefit and it is reppelling a harm from mankind and all those things which are necessary for mankind are made obligatory for mankind and all those things which are beneficial for mankind are recommended for humanbeing and it is to seek the benefit for mankind and all those things which are having possibility to be beneficial or harmful for mankind and such types of things are made permissible by Islamic law or these are remained silent in Islamic law and these are not given any rule. The first type of permisiblity is called Ibahah shariyyah and secod type of permissibility is called Ibahah Asaliyyah. The last type of permissibility does not need any further evidence dur to being permissible by the said principle. The principle of permissibilty is having very vaste scope in Islamic law and all the acts of human being which are neither prohibited nor disapproved as well as neither obligatory nor recommended are under the scope of this principle: All things are permissible in their origin. The article aims to define this principle and to discuss the opinions of classical Muslim scholars regarding to this principle and to describe the types of this principle. The article discusses the conflict of opiniopns between Muslim scholarsd in the application of said principle. The article also elaborates other relevant principles and their basis and supporting evidences.

الكلمات المفتاحية: الإباحة، الأصل، الأشياء.

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد!

☆ الأستاذ بقسم العلوم الإسلامية بجامعة لاهور، لاهور، باكستان

☆☆ رئيس القسم العربي بجامعة منهاج، لاهور، باكستان

والمبدأ الذي قرره الشرع الإسلامي كأصل كلي للأحكام الشرعية هو: الأصل قي الأشياء الإباحة وهذا المبدأ له دور هام في الشريعة الإسلامية لأن الجمع الكثيرمن أحكامها يبتني على هذا المبدإ وهو مبدأ قررت الشريعة الإسلامية اعتباره واهتمامه بقوله تعالى:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾(١)

وهذه الآية تدل على هذا المبدأ بوجهين:

الوجه الأول: أن اللام في الآية (لكم) للتمليك والانتفاع وكلمة ما للعموم في قوله تعالى (ما) وهذه الآية عام والعام قطعي الدلالة على معنى العموم عند الحنفية رحمهم الله تعالى قبل التخصيص.

فمعنى هذه الآية: يا أيها الناس انتفعوا بجميع الأشياء التي خلقها الله تعالى في هذه الدنيا للانتفاع بها والانتفاع بجميع هذه الأشياء لا يمكن إلا أن يكون هذا الانتفاع جائزا ومباحا والمباح لا يكون مباحا إلا بإباحة شرعية فاتضح منه أن الانتفاع بجميع الأشياء التي خلقها تعالى مباح بإباحته تعالى.

الوجه الثاني: أن هذه الآية وردت لبيان الامتنان لذات الباري تعالى علينا حيث خلق جميع الأشياء في هذه الأرض للأنسان وهذا الامتنان لايتأتى إلا بإباحة تلك الأشياء للإنسان فهذه الآية دليل على أن الأشياء كلها جعلها الله مباحة للإنسان في الأصل.

فهذه الآية دالة على أن الأصل في الأشياء الإباحة ثم بدأت الشريعة الإسلامية بتحريم بعض الأشياء الضارة للإنسان ضررا محضا أو ضررا غالبا ونزلت بإيجاب بعض الأشياء الهامة للإنسان في هذه الدنيا لكونها نافعة نفعا محضا أو نفعا غالبا على ضررها.

ثم أقرت الشريعة الإسلامية هذا المبدأ في الختام بعد بيان ما هو الواجب على المسلم وما هو المحرم عليه بالتفصيل الذي ورد بيانه في القرآن المجيد والحديث الشريف وجاءت بنص دال على صحة هذا المبدإ من القرآن المجيد والحديث الشريف كما قال الله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾(٢)

وقوله تعالى:

﴿أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ﴾(٣)

---

(١) سورة البقرة، ٢٩/٢

(٢) سورة المائدة، ١٠١/٥

(٣) سورة البقرة، ١٠٨/٢

وهاتان الآيتان تدلان على صحة المبدأ المذكور وكذلك جاء في حديث النبي ﷺ حيث قال:

"المسلمون على شروطهم إلا شرطا أحل حراما أو حرم حلالا"(١)

ولما كان هذا المبدأ من أهم المبادي الشرعية فأردت أن أكتب فيه بحثا يبرز فيه حقيقة الأمر ويبين ما له من الفائدة في هذا العصر.

وهذا البحث يتكون من ستة مطالب وكل مطلب يشتمل على الفروع. وفي ختامه الخاتمة، وهي تحتوي على أهم النتائج لهذا البحث.

قد بذلت قصارى جهدي في إخراج هذا البحث واخترت منهجا علميا في كتابة هذا البحث حيث لو كانت مسألة وقع النزاع فيها بين العلماء القدامى فبينت أرائهم فيها بأدلتهم ثم ناقشت تلك الأدلة وبينت الراجح منها وكذا اخترت منهجا معتبرا عند العلماء المعاصرين في بيان المصادر والمراجع وبيان مواضع الآيات الكريمة من القرآن المجيد وإخراج الأحاديث من كتب الحديث الأصلية. فأدعو الله تعالى أن يجعله ذريعة للسعادة في هذه الحيات ووسيلة للنجاة بعد الممات.

المطلب الأول: في بيان معنى الأصل:

وفيه فرعان:

الفرع الأول: في بيان معنى الأصل لغة: الأ صل في اللغة وضع لمعاني أهمها معنيان:

المعنى الأول: ما يبنى عليه غيره سواء كان هذا البناء حسيا أو معنويا. فالأول كبناء الحائط على الجدار. والثاني: كبناء الحكم على الدليل فكل من الجدار والدليل أصل لما يبنى عليه.

المعنى الثاني: منشأ الشيء ومصدره مثل القطن فإنه أصل للمنسوجات لأنها تنشأ منه.(٢)

الفرع الثاني: في بيان معنى الأصل اصطلاحا: والأصل في الاصطلاح يطلق على خمسة معان:

(ا) بيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين، (دون السنة)، معرفة السنن والآثار، دار الكتب العلمية، بيروت. ج٥، ص٣٩٢، رقم: ٤٢١٦

(٢) الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري، (١٩٨٧م)، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دار العلم للملايين، بيروت. ج٤، ص١٩٨٢، وابن منظور، محمد بن مكرم بن منظر الإفريقي، (دون السنة)، لسان العرب، نشر أدب الجوزة، إيران. ج١١، ص ١٦-١٧، والدين عبد الرحيم، (١٩٨٢ء)، عناية السؤل مع حاشية سلم الوصول، عالم الكتب، بيروت. ج١، ص ٧

المعنى الأول: الدليل والأصل في معنى الدليل يستعمل عند الفقهاء كما يقال: الأصل في هذه المسألة الكتاب أوالسنة أي الدليل.

المعنى الثاني: القاعدة الكلية كما يقول الفقهاء: لا ضرر ولا ضرار[١]، أصل من أصول الشريعة أو كما يقول النحاة "الفاعل مرفوع" أصل من أصول النحو.

المعنى الثالث: الراجح وهذا ما تعارف به أهل البلاغة والأصوليون ويقولون: الأصل في الكلام الحقيقة: أي الراجح.

المعنى الرابع: المقيس عليه واستعمله الأصولييون بهذا المعنى وقالوا الخمر أصل للنبيذ في حكم التحريم.

المعنى الخامس: المستصحب.[٢] كما يقال: طهارة الماء أصل. والمراد من الأصل المذكور في القاعدة هو المستصحب.[٣]

يعني الماء كان في حالته السابقة طاهرا فيحكم بطهارته في حالته الحاضرة حتى يأتي دليل يغير حالة طهارته إلى نجاسته.

المطلب الثاني: في بيان معنى الأشياء. وفيه فرعان:

الفرع الأول: في بيان معنى الشيء لغة:

الأشياء جمع شيء، قال الخليل:

"أن أصل الأشياء شيآء على وزن فعلاء ثم استثقلوا الهمزتين في آخره فقلبوا الأولى إلى أول الكلمة فقالوا: أشياء"[١]

---

(١) ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد، (دون السنة)، السنن، دار الفكر، بيروت، لبنان. ج٢، ص ٧٨٤، رقم: ٢٣٤٠

(٢) المستصحب من الاستصحاب ومعناه لغة يقال: صحبه يصحبه صحبة: عاشره وكل ما لازم شيئا فقد استصحبه، ابن منظور، لسان العرب، ج١، ص ٥١٩-٥٢٠

وأما معناه اصطلاحا: عرفه عبد العزيز البخاري: بأنه الحكم بثبوت أمرفي الزمان الثاني بناء على أنه كان ثابتا في الزمان الأول. وعرفه محمد أبو النور زهير: بأنه الحكم بثبوت أمر في الزمن الثاني لثبوته في الزمن الأول لعدم ما يصلح للتغيير. انظر: علاء الدين البخاري، عبد العزيز بن أحمد، (١٩٧٤ء)،كشف الأسرار، دار الكتاب الإسلامي، بيروت، ج٣، ص ٣٨٢، والمرداوي، علاء الدين علي بن سليمان، (١٤٢١هـ)، التحبير شرح التحرير، تحقيق: الدكتور أحمد بن محمد السراح، مكتبة الرشد، الرياض، ج٨، ص٣٧٥٣

(٣) محب الله البهاري، (دون السنة)، مسلم الثبوت مع التعليق المنعوت، مكتبة أكرمية، بشاور،باكستان. ص٤

قال الأخفش: "الأشياء في الأصل أشيئاء على وزن أفعلاء ثم حذفت الهمزة التي بين الياء والألف للتخفيف وأصبح أشياء"(٢)

وقال الكسائي: "أشياء على وزن أفعال مثل فَرخ وأفراخ"(٣)

وقال الفراء:

"أصل شيئ شيءٌ كشيع، فجمع على فعلاء، مثل هين وأهيناء ولين وأليناء ثم خفف فقيل شيئ وجمعه أشئياء فحذفواالهمزة الأولى فصار أشياء"(٤)

قال ابن منظور مبينا معناه:

"والشيء معلوم، وهو يقع على كل ما أخبرته عنه"(٥)

وقال أيضا: "شيئا: المشية: الإرادة، شئت الشيئ أشيأه شيأ ومشية ومشاءة ومشاية، أرد ته والاسم الشيئة المشيئة مصدر شاء يشاء مشيئة، وقالوا كل شيئ بشيئة الله بكسر الشين مثل شيعة أى بمشيئته"(٦)

قال الشيخ شهاب الدين الخفاجي:

"أما الأشياء فهو جمع شيئ فالشيئ مصدرشاء يشاء شيئا والشيئ لغة يطلق على كل ما أخبرعنه سواء كان جسما أو غير جسم قديما أو ممكنا أو معدوما أو محالا"(٧)

اتضح من ذلك أن الشيئ لغة يطلق على ما اخبرعنه سواء كان موجودا أو معدوما وسواء كان واجبا أو ممكنا أو ممتنعا لأن كلا منها يخبر عنه ويتعلق به العلم الحاصل بالخبر.

---

(١) رازي، فخر الدين محمد بن عمر، (٢٠٠٠م)، التفسير الكبير، دار الكتب العلمية، بيروت. ج١٢، ص ٨٧

(٢) أبو محمد مكي بن أبي طالب، (١٤٠٥هـ)، مشكل إعراب القرآن، مؤسسة الرسالة، بيروت. ج١، ص٢٤١

(٣) ابن منظور، محمد بن مكرم بن منظور الإفريقي، (دون السنة)، لسان العرب، ج١، ص ١٠٥

(٤) الجوهري، الصحاح، ج١، ص٥٨

(٥) ابن منظور، لسان العرب، ج١، ص ١٠٤

(٦) نفس المصدر، ج١، ص ١٠٣، والجوهري، الصحاح، ج١، ص ٥٨-٥٩

(٧) الخفاجي، شهاب الدين الخفاجي، (دون السنة)، حاشية على تفسير البيضاوي، المكتبة الإسلامية، تركيا. ج١، ص٤١٢

الفرع الثاني: في بيان معنى الشيئ اصطلاحا:

حينما نفكر في بيان المعنى المصطلح للشيئ فنجد العلماء مختلفين في معناه المصطلح إلى ثلاثة آراء.

الرأي الأول: قال جمهور المعتزلة: إن الشيئ هوما يصح أن يعلم ويخبرعنه فيجوز عندهم إطلاقه على الموجود القديم والحادث وعلى المعدوم الممكن والمستحيل لآن كل واحد من ذلك يصدق عليه تعريف الشيء"(١)

الرأي الثاني: قال بعض المعتزلة: إن الشيئ يطلق على الموجود والمعدوم الممكن وذلك بناء على نظريتهم أن الثبوت أعم من الوجود وأن الشيئ هو الثابت المتقررسواء كان موجودا أو معدوما ممكنا.

وأما إطلاقه على الممتنع فلا يجوز عندهم وذلك لأنه غيرثابت عندهم.

الرأي الثالث: قال الأشاعرة والماتريدية: إن الشيئ معناه الموجود الثابت ولا فرق عندهم بين الوجود والثبوت وبين الموجود والثابت كما أثبته القاضي عضد الدين عبد الرحمن في كتابه المواقف في موقفه الثاني وتكلم فيه عن الأمور العامة ومنها الوجود والثبوت.(٢)

مناقشة الرأي الثالث:

ناقش جهم(٣) وأتباعه رأي أهل السنة في الشيء وقالوا أولا: لوكان المراد من الشيئ هو الموجود فيلزم أن يكون البارى تعالى شيأ لانه موجود وكل شئ مقدور كما تدل عليه الآية: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾(٤) فيلزم أن يكون الباري تعالى مقدورا وكل مقدور ممكن الوجود على ما حققه العلماء المتكلمون فيلزم أن يكون الباري تعالى ممكنا وهو باطل لأن الله تعالى واجب الوجود.

---

(١) الخفاجي، شهاب الدين الخفاجي، (دون السنة)، حاشية على تفسير البيضاوي، المكتبة الإسلامية، تركيا. ج١، ص١٧٢

(٢) عضد الدين عبد الرحمن بن أحمد الإيجي، (١٩٠٧م)، كتاب المواقف مع شرح السيد الشريف على بن محمد الجرجاني، مطبعة السعادة، مصر. ج٢، ص ٥٨ وما بعدها

(٣) جهم بن صفوان السمرقندي أبو محرز رأس الجهمية الضال المبدع و زرع شرا عظيما، فقبض عليه نصر بن يسار وأمر بقتله فقتل ١٠٢ هـ — ٧٢٠م. خير الدين الزركلي، الأعلام، ج٢، ص ١٤١

(٤) سورة البقرة، ٢٠/٢

وثانيا: كذلك يلزم المحذور الآخر وهو أن يكون الباري تعالى مخلوقا من خلق نفسه وذلك لقوله تعالى: ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾(١) لأن الشيئ بمعنى الموجود وهذا يطلق على الباري تعالى كما يطلق على غيره من الموجودات.

جوابها: أجاب عن ذلك، البيضاوي بأن الشيئ مصدر شاء يشاء شيئا وهذا المصدر إما أن يكون مبنيا للفاعل حيث يكون بمعنى شاء كقاض أويكون مبنيا للمفعول حيث يكون بمعنى مشيء كمجيء، فلو كان الشيئ بمعنى شاء على وزن فاعل (اسم فاعل) كعدل بمعنى عادل فمعناه المريد وقد جاء الشيئ بمعنى المريد في قوله تعالى:

﴿قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾(٢)

وشاء بمعنى مريد يطلق على الباري تعالى كما يطلق على غيره.

ولو كان الشيئ بمعنى المشيء فمعناه الموجود في الحال وذلك لأن المشيء معناه ما تتعلق بوجوده مشية الباري تعالى وإرادته وكل ما تتعلق بوجوده مشيئته وإرادته فهو يكون موجودا فى نفس الوقت لاستحالة تخلف مراد الله تعالى عن إرادته ودليله قوله تعالى:

﴿إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾(٣)

ثم أتى بجوابين لهذه المناقشة بعد التمهيد المذكور.

الجواب الأول: أن الشيء بمعنى شاء بزنة فاعل يجوز أن يكون المراد به ذات البارى تعالى لأنه مريد وشاء بينما المراد من الشيئ في الآيتين هو المشيء والشيء بمعنى المشيء لايطلق على الباري تعالى لأنه واجب الوجود بينما المشيء ممكن الوجود ومقدور والله تعالى قادر غير مقدور بينما المشئ مقدور.

الجواب الثاني: أن الشيء في الآيتين بمعنى الموجود مطلقا سواء كان ممكنا أوواجبا ولكن الموجود الواجب استثنى من الشيئ في الآيتين لدليل العقل وذلك لأنه ليس مقدورا ولا مخلوقا وإلا للزم سبق العدم عليه وهومستحيل لأنه قديم وأزلي.

فحاصله أن العام المذكور في الآية قد خص عنه البعض بدليل العقل فحينئذ لا يلزم المحذور.(٤)

---

(١) سورة الزمر، ٦٢/٣٩

(٢) سورة الأنعام، ١٩/٦

(٣) سورة يس، ٨٢/٣٦

(٤) الخفاجي،حاشية على تفسير البيضاوي، ج١، ص ١٧٢

بيان الراجح: قد اتضح مما سبق أن مذهب الأشاعرة والماتريدية أولى بالأخذ وذلك لأن الرأي الأول يلزم عليه أن يكون المستحيل مقدور الله تعالى لقوله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾(١)

وهذا باطل وإلا ليلزم أن يكون المستحيل موجودا وذلك لإستحالة تخلف مراد الله تعالى عن إرادته.

أما الرأي الثاني فقد أثبته العلماء في علم الكلام باطلا وذلك لعدم الفرق بين الوجود والثبوت.

أما الرأي الثالث فهو سالم عن المناقشة والانتقاض.

المطلب الثالث: في بيان معنى الإباحة. وفيه فرعان

الفرع الأول: في بيان معنى الإباحة لغة:

للإباحة معان لغة وأهمها معنيان.

الأول: الجهر والإظهار يقال باح الشيئ وأباحه إذا جهر به.

الثاني: جعل الشيئ حلالا كما يقال أبحتك الشيئ أى أحللته لك والمباح خلاف المحذور"(٢)

قال الآمدي:

"أما المباح فهو مشتق من الإباحة وهي الإظهار والإعلان ومنه يقال "باح سره" اذا أظهره وقد ورد أيضا بمعنى الإطلاق والإذن ومنه شرعا. ولها ستة تعاريف عند الفقهاء والأ صوليين.

التعريف الأول: عرفها البعض بأنها ما خير المرء فيه بين فعله وتركه شرعا.(٣)

مناقشة هذا التعريف: يقال: أبحته كذا أى أطلقته فيه وأذنت له".(٤)

الفرع الثاني: في بيان معنى الإباحة

نوقش هذا التعريف بأنه منتقض بوجهين:

الأول: إن خصال الكفارة المخيرة بجملتها أمر مخير في ذاته بين فعله وتركه ولكنه حينما أراد أحد فعل أية خصلة منها وعزم أداء الكفارة بخصوص خصلة من خصالها ففعلها لايكون مباحا بل يكون واجبا .

---

(١) سورة البقرة، ٢٠/٢

(٢) ابن منظور، لسان العرب، ج٢، ص ٤١٦

(٣) نفس المرجع

(٤) الآمدي، على بن محمد، (١٤٠٤هـ)، الإحكا م في أصول الأحكام، دار الكتاب العربي، بيروت. ج١، ص١٦٧

الأمر الثاني: أن أداء الصلاة في أول وقتها الموسع أمر مخير بين الفعل والترك بالعزم على أدائها مع أنه فى ذاته ليس بأمر مباح بل واجب.[١]

جوابها: أجيب عن الأول بأن المكفر مخير في اختيارأية خصلة من الخصال الثلاث التي تكون منها الكفارة على سبيل البدل فالمكفر مخير في اختيار إحداهن وليس مخيرا في ترك الكفارة المكونة من تلك الخصال على سبيل البدل وكل ما فيه المكفر مخير فهو مباح وكل ما فيه المكفر غير مخير فهو واجب فالمباح شيء والواجب شيئ آخر.

وأجيب عن الثاني مثل ما أجيب عن الأول فأصبح هذا التعريف جامعا ومانعا.

حكم هذا النوع من الإباحة: هذا النوع من الإباحة حكم شرعى لدلالة الكلمة المذكورة في التعريف وهي شرعا.

التعريف الثاني: عرف بعض العلماء الإباحة بأنها ما دل دليل شرعي على أنه لا ضرر على فاعله في فعله ولا في تركه ولا نفع له في الآخرة.[٢]

مناقشة هذا التعريف:

نوقش هذا التعريف بأنه غير جامع وذلك لخروج الفعل الذي خير الشارع فيه بين الفعل والترك مع استواء فعله في المصلحة والمفسدة المتساويتين في الدنيا والآخرة .

جوابها: أجيب عن ذلك بأن الأمر المفروض المذكور ليس من المباح وذلك لأنه إذا وقع التعارض بين المصلحة والمفسدة فدفع المفسدة أولى من جلب المصلحة وذلك لقاعدة فقهية: درء المفاسد أولى من جلب المصالح.[٣] والمباح ليس كذلك لأن فعله وتركه متساويان بدون أولوية أحدهما على الأخر فلا يصح الاعتراض بهذا المفروض على تعريف الإباحة"[٤]

حكم هذا النوع من الإباحة: هذا النوع من الإباحة حكم شرعى وذلك لأن الشريعة أباحت هذا الفعل.

التعريف الثالث: عرف بعض العلماء الإباحة بأنها أمر يستوي جانباه في عدم الثواب وعدم العقاب. ومعناه أنه لا يثاب على فعله ولا يعاقب على تركه.

---

(١) نفس المرجع

(٢) الآمدي، على بن محمد، (١٤٠٤هـ)، الإحكا م في أصول الأحكا م، دار الكتاب العربي، بيروت، ج١،ص١٦٧

(٣) مجلة الأحكام العدلية، ص٣٠.

(٤) نفس المرجع، ج١، ص ١٢٣

مناقشة ذلك:

نوقش هذا التعريف بأنه منتقض بأفعال الله تعالى بمعنى أنه غير مانع من دخول الغير فيه لأن فعل الله تعالى أمر لا يترتب عليه ثواب ولا عقاب مع أنه غير متصف بمباح.(1)

✯✯✯✯✯

المصادر والمراجع

١. القرآن الكريم
٢. الآمدي، على بن محمد، (١٤٠٤هـ)، الإحكا م في أصول الأحكام، دار الكتاب العربي، بيروت.
٣. البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين، (دون السنة)، معرفة السنن والآثار، دار الكتب العلمية، بيروت
٤. البهاري، محب الله، (دون السنة)، مسلم الثبوت مع التعليق المنعوت، مكتبة أكرمية، بشاور،باكستان
٥. الجوهري، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري، (١٩٨٧م)، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربية، دار العلم
٦. للملايين، بيروت.
٧. الخفاجي، شهاب الدين الخفاجي، (دون السنة)، حاشية على تفسير البيضاوي، المكتبة الإسلامية، تركيا
٨. عبد الرحيم، (١٩٨٢ء)، عناية السؤل مع حاشية سلم الوصول، عالم الكتب، بيروت.
٩. رازي، فخر الدين محمد بن عمر، (٢٠٠٠م)، التفسير الكبير، دار الكتب العلمية، بيروت
١٠. عضد الدين عبد الرحمن بن أحمد الإيجي، (١٩٠٧م)، كتاب المواقف مع شرح السيد الشريف على بن محمد الجرجاني، مطبعة السعادة، مصر
١١. علاء الدين البخاري، عبد العزيز بن أحمد، (١٩٧٤ء)،كشف الأسرار، دار الكتاب الإسلامي، بيروت
١٢. ابن ماجه، أبو عبد الله محمد بن يزيد، (دون السنة)، السنن، دار الفكر، بيروت، لبنان.
١٣. أبو محمد مكي بن أبي طالب، (١٤٠٥هـ)، مشكل إعراب القرآن، مؤسسة الرسالة، بيروت
١٤. المرداوي، علاء الدين علي بن سليمان، (١٤٢١هـ)، التحبير شرح التحرير، تحقيق: الدكتور أحمد بن محمد السراح، مكتبة الرشد، الرياض
١٥. ابن منظور، محمد بن مكرم بن منظر الإفريقي، (دون السنة)، لسان العرب، نشر أدب الجوزة، إيران.

(1) نفس المرجع، ج١، ص ١٢٣